قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

المجاہد من جاھد نفسہ (الحدیث) — مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیاد

شیخ العرب والعجم، صدیقِ دوراں، مجددِ طریقت، مجتہد فی التصوف، بحرِ علومِ شریعت، قلزمِ فیوض و برکات،
امامِ اولیاء، شیخِ سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان علیہ الرحمۃ

مقامِ اشاعت

دار العرفان ۰ منارہ ۰ ضلع چکوال

اداریہ

المرشد نے اپنی زندگی کے نو برس پورے کر لئے الحمد للہ یہ محرم اس کی زندگی کے دسویں برس کی ابتداء ہے۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو ان کی دولت گم گشتہ یعنی ذکرِ دوام سے آشنا کرنا ہے۔ اس کی اہمیت کا احساس دلانا اگر کسی دل میں طلب پیدا ہو جائے تو اسکی تربیت کرنا ہے۔ لہٰذا اس کی کارکردگی کا جائزہ بھی اسی نگاہ سے لیا جا سکے گا کہ کتنے دلوں کے دروازے اس کی دستک سے وا ہونے اور کس کس گھر میں اس کی روشنی پہنچی۔

اگرچہ اس کے بعض مضامین اپنے مخصوص راستے سے ذرا ہٹ کر تھے۔ اگرچہ ان کی افادیت کا انکار ممکن نہیں۔ مگر المرشد کے خاص موضوع سے الگ موضوع رکھتے تھے۔ پھر بھی دوران سال اسکا پیغام واضح اور روشن رہا یہ سب اللہ کریم کا احسان ہے کہ اسمیں جتنے لوگوں کی کاوشیں شامل ہیں سب کو توفیق عمل سے نواز رہا ہے۔

اللہ کرے یہ مزید بہتر طریقے سے خلق خدا کی خدمت کا فریضہ انجام دیتا رہا یوں تو حکومت پاکستان اس نے دو سال پہلے سے نفاذ اسلام کیلئے عملی اقدام کر رہی ہے جنہیں وقتاً فوقتاً تیز تر بھی کیا جاتا ہے۔ مگر تا حال ان کی رسائی بھی زکوٰۃ و عشر کی رقوم جمع کرنے تک ہی ہو سکی ہے ورنہ ابھی تک تو نصاب تعلیم بھی اسلامی نہیں کیا جا سکتا اور اب تمام طرح کی مثبت منفی سوچوں کو یکجا کر کے سب کا کوئی اسلامی مصرف زیر تجویز ہے۔

المرشد نے پچھلے محرم میں بھی یہی لکھنے کی اجازت چاہی تھی کہ اس ماہ مبارک کیساتھ ایک جذباتی یاد بھی وابستہ ہے جو خانوادہ نبوت کی مظلومانہ شہادت کی یاد ہے ایک ایسے خاندان کی شہادت جو روئے زمین پہ اپنی مثال آپ ہے۔ اور نہایت سفاکانہ اور بہیمانہ انداز میں۔ آخر کیوں؟ یہ جرأت کس نے کی؟ کیوں کی؟ اور اس کا کیا فائدہ حاصل کیا گیا؟

یہ بڑی سادہ سی بات ہے اگر نام کا بھی مسلمان ہو تو خاندان نبوت پہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتا یہ کبھی ممکن نہیں کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلا ہوا سے کوئی مسلمان گرا کر ذبح کرنے، تو پھر یہ کون تھے۔ اسکا جواب تاریخ کے پاس موجود ہے۔ یہ خلاف اسلام یہود کی سرزمین تحریک تھی۔ اسکے دامن پہ عمرؓ کا خون، ہاتھوں پہ خون عثمانؓ اور خون علیؓ چھلک رہا تھا۔ اسی کے دامن پہ خون حسینؓ کے چھینٹے بھی نظر آتے ہیں۔ کیوں کا جواب بڑا سادہ ہے کہ انہیں اسلام اور پیغمبر اسلام سے دشمنی تھی۔ دل انتقام کی آگ سے دہک رہے تھے۔ فائدہ یہ حاصل کیا کہ دین حق کے مقابلے میں ایک بناوٹی مذہب بنا کر عقائد سے لیکر اعمال تک اسلام کے نام پہ پیش کر دیا۔ دنیا میں اسلام کے خلاف جسقدر کوششیں کی گئیں سب سے زیادہ نقصان دہ یہی تحریک ثابت ہوئی اور ہر محرم میں پورے ملک میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے۔

مگر ابھی تو مسلمانوں سے گذارش ہے کہ ارشادات باری کے مطابق ایسے لوگوں سے جو یہودی کو مذہب کے نام پہ رواج دینا چاہیں۔ علیحدگی ضروری ہے اور یکسو رہنے میں عافیت ہے۔ کیونکہ قانوناً یا حکمرانوں کا حکومت یا قانون نافذ کرنیوالے اداروں کا کام ہے ہر شخص قانون کو ہاتھ میں لینے کا مجاز نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ایسے افعال سے کنارہ کشی اختیار کیجائے۔ اگر اس پہ بھی عمل کیا جائے تو حکومت کے جو لاکھوں ملازمین اس کام پر تعینات ہوتے ہیں وہ اپنے فرائض ادا کریں کروڑوں روپے جو پولیس فورس اور بعض اوقات افواج کو مختلف شہروں میں لانے لیجانے پہ صرف ہوتے ہیں وہ بچ سکیں اور سب بڑی بات کہ شہروں کا امن و سکون تباہ نہ ہو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ شہادت حسینؓ سے عبرت حاصل کریں اور صرف یہی ایک شہادت نہیں بلکہ تاریخ اسلام کا ہر ورق اور ہر صفحہ و سطر خون شہداء سے روشن ہے۔ شہادت کا معنی ہی گواہی کا ہے اتنی بڑی گواہی کہ جان دیکر واضح کر دیا جائے کہ اس مقصد پر نچھاور تو ہوا جا سکتا ہے اسے چھوڑا نہیں جا سکتا۔

اللہ کریم عالم اسلام کو ہدایت پہ جمع فرمائے۔ آمین۔

اسرار التنزیل

ہم کیا کرتے ہیں

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ط

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ط

اِنَّ المُسلِمِینَ وَالمُسلِمٰتِ وَالمُؤمِنِینَ وَالمُؤمِنٰتِ وَالقٰنِتِینَ وَالقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِینَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِینَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالخٰشِعِینَ وَالخٰشِعٰتِ وَالمُتَصَدِّقِینَ وَالمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِینَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالحٰفِظِینَ فُرُوجَھُم وَالحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِینَ اللّٰہَ کَثِیرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُم مَّغفِرَۃً وَّاَجرًا عَظِیمًا ○

سورہ احزاب آیت ۳۵ پارہ ۲۲

اس آیہ کریمہ میں ایک خوبصورت ترتیب ارشاد ہوئی ہے جو براہ راست انسانی زندگی، اس کے افکار، یقین اور کردار کے نقوش واضح کرتی ہے۔ یہ ترتیب یوں ہے کہ بنیاد اقرار شہادتین سے بنتی ہے۔ جسے تسلیم کرلینا یا مسلمان ہوجانا کہہ لیجئے۔ اللہ کریم نے یہاں خواتین و حضرات دونوں افراد انسانیت کا ذکر فرمایا ہے ورنہ عموماً خطاب مردوں کو یا پھر اولاد آدم کو یا مومنین کو ملتا ہے کہ بعض احکام براہ راست مردوں سے متعلق ہیں جیسے جہاد اور مومنین یا انسانیت میں خواتین از خود آجاتی ہیں۔ مگر ایک بار چند خوش نصیب خواتین نے بارگاہ رسالت میں یہ عرض کیا کہ اللہ کریم ہمیں خطاب نہیں فرماتے۔ وہاں کیا دیر تھی جواباً اس خطاب سے نوازا گیا اور مردوں کے برابر خواتین کو خطاب فرما کر سرفراز فرمایا۔ نیز یہ بات بھی مزید کسی وضاحت کی محتاج نہ رہی کہ جسمانی ساخت کے اعتبار سے اگرچہ بعض ذمہ داریاں اور فرائض مختلف ہیں مگر مرد و عورت کو جواب بھی ایک ہی بارگاہ میں اور ایک ہی سطح پر کھڑے ہو کر دینا ہوگا۔ انعام بھی یکساں مل سکتے ہیں اور سزا بھی۔ لہٰذا صرف مردوں کی نہیں، خواتین کی تربیت بھی اتنی ہی بلکہ کچھ زیادہ ہی ضروری ہے کہ مرد بھی مردانگی کی حدود کو چھونے سے پہلے خواتین کی گود میں کسی سانچے میں ڈھل چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے خواتین کو دوگنا تربیت کی ضرورت ہے۔

مسلمان ہوجانے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ جن حقائق کو ماننا تھا، قبول کیا تھا۔ ان پر یقین کی دولت نصیب ہوتی ہے جسے ایمان

کہا گیا ہے اور اس کا مدار انسان کے تسلیم کرنے کے درجے پر ہے۔ اس میں کس قدر گہرائی تھی۔ اتنا ہی مضبوط یقین یا ایمان نصیب ہوتا ہے کہ ماننا ایک عمل ہے جو اپنے اختیار اور ارادے سے کیا جائے گا اور جاتا ہے۔ یقین و ایمان ایک کیفیت ہے جو اللہ کی طرف سے دل پر، باطن پر اور ضمیر پہ وارد ہوتی ہے۔ سو مرد ہو یا خاتون، دولت ایمانی سے سرفراز ہو، یہ قلبی کیفیت لذت اطاعت عطا کرتی ہے اور گناہ کی کڑواہٹ محسوس کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے اعمال میں اللہ کی اطاعت کا رنگ غالب آجاتا ہے۔ تسلیم، یقین اور اطاعت کے سوتے جب ملتے ہیں تو صداقت نصیب ہوتی ہے۔ کھرا پن اور یہ چاروں یکجا ہو کر صبر کا دھارا بن جاتے ہیں۔

صبر کیا ہے۔ اس کا لفظی معنیٰ ہے باگ کھینچ جانا، رک جانا یعنی اللہ کی اطاعت پر اس طرح جم جانا کہ نافرمانیوں کو دھکیل کر اپنا راستہ بنانے چلے جانا۔ کسی کی موت یا مال کے زیاں پر صبر اس کی ایک قسم ہے۔ دراصل یہ ایک جامع اصطلاح ہے کہ ہر طرح کے گناہوں کو اٹھا کر پھینک دینے کی قوت حاصل کر لینا۔ اب یہ دریا جہاں سے گزرتا ہے وہاں نئی زمین بناتا ہے کچھ ذرات اپنے ساتھ لایا تھا، کچھ پہلے والوں کی سیرابی ملی تو خشوع کی نئی سرزمین قلب میں پھیلنی شروع ہو گئی۔ اللہ اللہ اب یہاں یقیناً بہار آئے گی، پھول کھلیں گے اور بیل لگیں گے تو وہ خوشبو پھیلنے لگی یعنی ایسے لوگ تصدق کرنے لگے۔ زرخیز زمین کی طرح اپنے سینے پر ہل چلا کر دوسروں کو پھل دینے لگے۔ تصدق کیا ہے خود محنت کرنا، مشقت جھیلنا اور اللہ کی مخلوق کو آرام پہنچانا، حتیٰ کہ روزہ دار بن گئے، صائم کہلائے، روزہ اللہ کی طلب میں ماسوا سے آنکھ بند کر لینے [illegible] نام ہے اسی لیے حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ روزہ میرے لیے ہے۔ اس کا میں اجر جانوں سبحان اللہ خلقِ خدا پر سب کچھ نچھاور کرنے لگے۔ اپنی اس کی ذات پر سے بھوک کی زردی، منہ پہ پیاس کی پپڑیاں، ہونٹوں پر ہیں، آباد گھر میں بیٹھے ہیں۔ دنیا کو کھلانے والے خود کسی کے منتظر ہیں۔ نگاہیں ایک طرف لگی ہیں کہ ان کی طلب تو دیدار الٰہی ہے اور اس میں اس قدر محو ہوئے کہ عالم دنیا کی سب سے شدید اور سب سے مضبوط اور بے بس کر دینے والی لذت ان کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکی اور وہ اس درجہ پر پہنچے کہ اپنے جنسی پہلو کی حفاظت کر سکیں یہ ایسی شدید لذت ہے کہ جائز اور حلال مقام پر بھی قلبی توجہات میں کمی آجاتی ہے، شاید اس لیے کہ اس پر بقائے نسل کا انحصار تھا اسے اتنی شدت دی گئی یا بندوں کا امتحان بھی مطلوب تھا۔ بہر حال نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک صاحبزادی کو قبر میں اتارنے کے لیے فرمایا ایسے لوگ آگے آئیں جنہوں نے رات بیویوں سے مقاربت نہ کی ہو۔ یہی ایک دلیل کافی ہے کہ اگرچہ محل پر ثواب ہے مگر ثواب ہونا اور بات اور کسی کی طرف نگاہ طلب کا اٹھنا اور شے ہے۔ بہر حال یہ کٹھن وادی ہے، اگر اس کی غاروں، دلدلوں اور جنگلوں سے یہ دریا بہہ نکلے تو ذکر الٰہی کے پُرسکون میدان میں پہنچتا ہے۔

فرمایا! کثرت سے اللہ کا ذکر کرنیوالے مرد اور کثرت سے ذکر کرنیوالی خواتین، فرمایا! انسان ہیں خطا تو ان سے بھی ہو سکتی ہے، کہیں ٹھوکر لگ ہی گئی ہو گی، مگر میری مغفرت بڑھ کر تھام تھام لیتی ہے غرقِ عصیاں نہیں ہونے دیتی اور ایسے ہی لوگوں کے لیے بہت بڑا اجر یا بہت بڑا انعام ہے۔ بہر حال یہ بہت خوبصورت بہت حسین اور بہت قیمتی راستہ ہے اس پر جان بھی دی جائے تو کم ہے۔ مگر کیا یہ بہت لمبا نہیں ہے "کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک"۔ خدایا آسانی

فرما، ورنہ یہ نعمتیں تیرے بندے سنتے رہیں گے پا نہ سکیں گے۔ الا ماشاء اللہ اتنی بڑی جنت خالی خالی اچھی لگے گی؟ نہیں! اللہ نہیں میرے محبوب اسے بندوں سے بھر دے، تیرے بندے ہی اس کی رونق ہیں۔ ورنہ یہ نعمتیں کس کی خاطر اور ان کا کیا فائدہ؟ اللہ کا کوئی کام بے فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ اس کی شان اور مقام عالی کے خلاف ہے تو پھر ضرور کوئی آسان راستہ بھی ہوگا، آیئے تلاش کریں۔

یہ بنیاد یعنی اسلام ہمیں کہاں سے ملا۔ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کرنے سے الحمد للہ۔ جنہوں نے دعوت قبول کی وہ اس راستہ پر چل پڑے اور انہیں سلامتی سے آخر تک لے جائے یا ممکن ہے راستے میں دم توڑ دیں۔ ایک طبقہ اور بھی ہے انہوں نے دعوت بھی قبول کی اور جمال جہاں آرا سے بھی سیراب ہوئے یا نگاہ کرم کی زد پہ بھی آئے۔ وہ کیا خوش نصیب تھے کہ جو مجلس عالی میں پہنچے ایک نگاہ پڑتے ہی سارے منازل طے کرتے ہوئے کثرت ذکر کی بلندیوں پر فائز ہو گئے اور صحابی کہلائے۔ یہ جس قدر مدارج ارشاد ہوئے ہیں ان سب میں روئے زمین اور پوری انسانیت میں سب سے کامل کامیابی سے ہمکنار ہونے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ٹھہرے، کیا یہ کم دلیل ہے کہ بعد میں آنے والی ساری انسانیت کو دل کی گہرائیوں سے ان کی اطاعت اور اتباع اختیار کرنے کا حکم دیدیا کہ وہ فنا فی الرسول تھے۔ ان کا اتباع ہی اس میدان میں لیجانے والا ہے جو صرف اللہ کے نام سے روشن ہے اور جہاں ماسوا کا گذر نہیں۔ انہیں کس قدر کثرت ذکر نصیب ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ ان کھالوں اور جسم کی جلدوں سے لیکر دل کی گہرائیوں تک ہر ذرہ وجود ذاکر بن گیا، ہر ہڈی، ہر ریشہ خون کا، ہر قطرہ اور ہر بوند سے اللہ اللہ ہی کی لہریں اٹھنے لگیں تو نچلے درجے از خود حاصل ہوتے چلے گئے۔

یاد رہے کثرت ذکر کا حکم ہے اور کثرت سے مراد ہے کہ انسان جو کام بھی کرے وہ تعداد میں ذکر کی تعداد کو نہ پہنچے۔ تب کثرت کا کم از کم مفہوم ادا ہوگا۔ باقی امور کو چھوڑیئے، انسان جو سانس لیتا ہے یہ بھی عمل ہے، دل کی دھڑکن ایک عمل ہے لطف تب ہے کہ ذکر الٰہی کی تعداد کم بھی ہو تو ان سے زیادہ ہو اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ روشنی وہ نور وہ کیفیت در آئے جو صحبت رسالت سے نصیب ہوئی ورنہ عمر خضرؑ بھی شاید کافی نہ ہوگی۔ اور وہ کیسے نصیب ہو اس کا بھی سلیقہ ہے۔ صحابہ میں اس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں ہم کھانا سامنے رکھتے تو وہ تسبیح کہنے لگتا، ہم کھانے سے اللہ کی تسبیحات بھی سن رہے ہوتے تھے اور کھا بھی رہے ہوتے تھے۔ جو انسان ایک گھڑی ان کی محفل میں بیٹھا وہ دل روشن اور وجود کا انگ انگ ذاکر لے کر اٹھا اور یہ ایک پورا طبقہ ہے جو تابعی کہلائے، ان کی قوت صحابہؓ کی سی نہ تھی، مگر انہوں نے بھی ایک نگاہ میں دلوں کی دنیا بدل دی اور یوں تبع تابعین کا طبقہ وجود میں آیا۔ جوں یہ دولت تقسیم ہوتی گئی۔ لوگوں کے احوال کی مناسبت سے اس کی قوت میں کمی آتی گئی۔ نبی کی اپنی قوت، صحابی کی اپنی طاقت اور بعد والوں کی اپنی۔ مگر پہلے تین ادوار میں ایک نگاہ کام کر جاتی رہی، پھر مشائخ اور بزرگان دین کی صحبت میں عرصہ لگانے کی ضرورت پڑی، بڑھتی گئی اور یوں سلاسل تصوف وجود میں آئے۔ ان جوانمردوں نے علوم ظاہر وحاصل کئے اور برکات قلبی کے حاملین جو علمائے ربانی کہلائے، تلاش کیا، ان کی مجالس میں بیٹھے، غرض یہ تھی کہ وہ روشنی اپنے دل میں منعکس کر کے دل روشن اور بدن ذاکر لے کر اٹھیں،

ساتھ اللہ کا ذکر کرنا شامل کیا کہ دینے والے کا سینہ ابلنے لگے اور لینے والے کا دل جذب کرنے کی استعداد حاصل کر لے اور یوں دلوں میں، بدلوں میں، ذہنوں میں، زبانوں پہ، آنکھوں میں، اعضا جوارح میں، اس کا پاک نام نقش بس جائے کہ دنیا کی رنگینیوں سے آگے دیکھ سکیں۔ اس کے جمال کی طلب پیدا ہو اور حیات حصول مقصد حیات پہ صرف کی جائے۔ یہ جنس گرانمایہ تھی۔ اس کی بہت نقل بھی بنی۔ لوگوں نے خدا ہونے کے جھوٹے دعوے کیے۔ نبی ہونے کے جھوٹے دعوے کیے۔ اگر کسی نے ولایت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تو حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ہاں پرکھ موجود ہے۔ اگر اسلام سے لیکر ذکر کی کثرت تک یہ نعمتیں کسی نہ کسی درجہ میں نصیب ہو رہی ہیں تو یہی تو مقصود ہے اور یہ جھوٹوں سے کبھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر طالب کو حق کی تلاش ہو تو کسی خطرے کا اندیشہ نہیں۔ اگر اپنی طلب ناقص اور نام خدا کے پردے میں دنیا طلبی ہے تو کسی جھوٹے ہی کے قابو چڑھے گا۔ میاں ہم بھی اس دنیا میں آئے۔ طبیعت لاابالی تھی، ہر کام میں آگے کیا ہے کی طلب رہتی۔ شہرت کمائی، اچھی بھی، بری بھی، ملک بھی کہلائے، جوانمرد بھی بنے۔ دولت بھی کمائی۔ بہت کچھ دیکھا لیکن آگے کیا ہے؟ تاریکی! خاموشی! جو شور سے زیادہ دل ہلا دینے والی تھی۔ آخر ایک ٹھوکر لگی تو اللہ کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوا۔ بہت لوگ دیکھے، اللہ کے طالب، شہرت کے متلاشی، حسن کے دیوانے، ہم ان باتوں سے کچھ آگے کی طلب لائے تھے۔ اللہ نے اہتمام فرمایا۔ اپنے بندے کی خدمت کی سعادت بخشی اور یوں بچیس برس ان کے قدموں میں بسر ہو گئے۔ کیسا عافیت کا زمانہ تھا، ہر فکر سے آزاد۔ مگر یہ عجیب ذمہ داری منتظر تھی۔ وقت رخصت انہوں نے نوکری لگا دی کہ جو درد سمیٹا ہے، اب بانٹا کرنا۔ ہم بیٹھے درد دل بیچا کرتے ہیں۔ پھیری بھی لگاتے ہیں، گلی گلی صدا بھی اور ملک ملک پہنچ کر آواز بھی، صلائے عام ہے، سیدھی سی بات ہے۔ شریعت پہ عمل کرو۔ ہم سے نہ پوچھو خود پڑھو یا دوسرے علماء سے پوچھ لو، آؤ ہمارے پاس بیٹھو، صرف اللہ کا نام لو، شاید کوئی جھونکا تمہارے دل کی دنیا میں بھی بہار لے آئے۔ جس شریعت پر عمل دشوار نظر آتا ہے۔ اللہ اسے سہل فرما دیں اور یوں ہم آپ کیلئے ایک راستے کا، ایک پل کا کام دے سکیں۔ جسے روند کر تم بھی اس میدان میں جھانک ہی لو کہ اصل لطف وہاں پہنچ کر ہی پتہ چلتا ہے۔

من سیپارۂ دل می فروشم بگفتا قیمتش گفتم نگاہے
بگفتا کمترش گفتم کہ گاہے

فقیر محمد اکرم عفی عنہ ۲۲/۶/۸۸ نیویارک

۱۱۲۷ ـــــ حدیث ابوشریح کعبی ؓ: حضرت ابوشریح ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ خاطر و مدارات ایک دن رات تک ہے اور مہمان داری تین دن تک اور اس سے زیادہ صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ میزبان کے پاس اتنے

ھدایات

(شیخ المکرم دامت برکاتہم)

سورۂ یونس کی یہ آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں اور ان کے حوالے سے جو کچھ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ہمارے اس حلقۂ ذکر کے لیے، ہمارے سلسلہ کے لیے، ہمارے مشن کے لیے، یا جو دینی خدمت ہم کر رہے ہیں۔ اس کے لیے اثاث اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سلوک و تصوف، یہ چیز کیا ہے؟ اس کے متعلق مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ بڑے پُر زور طریقہ سے کہتے ہیں کہ حبیب اللہ کی کتاب موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی سنت اور آپ کی حدیث موجود ہے۔ تو پھر کسی تیسری چیز کی ضرورت کیا ہے۔ اس لیے کہ حضور صلعم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے، کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور ایک اپنی سنت۔ جب تک تم ان دونوں کے ساتھ سختی سے چمٹے رہو گے، تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کسی تیسری چیز کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کے مقابلے میں ایک طبقہ مسلمانوں کا ہے۔ جس کا کہنا یہ ہے کہ جس کسی کا پیر نہ ہو، یا جو کسی کا مرید نہ ہو۔ اس کی تو نجات بھی مشکل ہے چہ جائے کہ وہ اچھا مسلمان ثابت ہو سکے۔ بلکہ کچھ اسطرح کے حوالے دیئے جاتے ہیں کہ جس کا شیخ نہیں ہوتا، اس کا شیخ یا پیر شیطان ہوتا ہے۔ یہ اس کے مقابلے میں دوسری رائے ہے۔

ایک تیسری رائے ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ تصوف کے نام پر کیا جاتا ہے یہ ایک متوازی اسلام ہے اور یہ ہندوؤں سے سیکھا گیا ہے۔ ہندو شعبدہ بازی جانتے تھے اور اس قسم کے خفیہ اور پراسرار علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ وہاں سے مسلمانوں نے یہ بھی اخذ کر لیے۔ اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے مقابلے میں جو چوتھی رائے یا مسلمانوں کا چوتھا طبقہ عمل کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام میں اپنے پیر کا تعاون ضرور چاہتے ہیں۔ ان کی گائے بیمار ہوتی ہے تو ان کا پیر اسے شفا دیتا ہے۔ ان کا بچہ روتا ہے تو پیر بہلانے کیلئے موجود ہے۔ ان کی بیوی کو چھینک آتی ہے تو اسے سہارا دینا پیر کا کام ہے۔ ان کا مکان گرتا ہے تو پیر سنبھالتا ہے اور جو کچھ انہیں مل رہا ہے وہ پیر ہی دے رہا ہے۔ اگر پیر نہ ہو تو انہیں شاید دانہ پانی بھی نہ ملے۔ یہ ان کا نظریہ اور عقیدہ ہے۔

اس عالم ہاؤ ہو میں اور اس افراتفری میں اور اس دار و گیر میں اللہ کریم نے ہمیشہ ہدایت کی شمع فروزاں رکھی ہے اور

ہمیشہ رکھے گا۔ یہ اس کا فیصلہ ہے کہ تعلیمات نبوی کے ساتھ برکات نبوی اور فیوضات نبوی اپنی جامع صورت میں جس طرح سے مخلوق تک پہونچے اس طرح سے پہونچتے رہے ہیں۔ پہونچ رہے ہیں، پہونچتے رہیں گے، جب تک اللہ اس دنیا کو قائم رکھنا چاہے گا۔ اب اس کی صورت کیا ہے۔ اور وہ تصوّف کیا ہے۔ جسے ہم برکات نبوی کہتے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں، اس کے باطن میں، اللہ پر بھروسہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ یہ صلاحیت ایک کیفیت ہے، ایک حالت ہے۔ جو محض کتابیں پڑھنے سے نہیں آتی۔ آپ جانتے ہیں کہ کتابیں پڑھ کر کبھی کوئی حکیم نہیں بنا۔ کتابیں پڑھ کر کبھی کوئی ڈاکٹر نہیں بنا۔ کتابیں پڑھ کر کبھی کوئی انجینئر نہیں بنا۔

ایک سٹیج پر پہنچ کر تھیوری کے ساتھ ہمیشہ پریکٹیکل ہوتا ہے اور وہ پریکٹیکل یا عمل اسے ڈاکٹر یا انجینئر یا اس فن کا ماہر بناتا ہے۔ اسی طرح کتابیں تھیوری تو دیتی ہیں۔ لیکن وہ جذبہ، وہ کیفیات اور دل کی وہ حالت کہ کتاب سے جوڑ دیا جاتا ہے، کتاب کا جو لفظ سنا جائے اسے اپنانے کو جی چاہے، اس پر عمل کرنے کو جی چاہے۔ یہ کیفیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت عالی میں تقسیم ہوا کرتی تھی۔ یعنی کتاب یہی تھی اور کائنات میں سب سے بہترین پڑھنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، آپ کی زبان مبارک سے سن کر بھی کافروں کو ایمان تک نصیب نہ ہوا۔ اور کافر کفر پر مر گئے۔ لیکن جسے ایمان نصیب ہوا۔ آپ کی مجلس میں وہ بیک نگاہ مقام صحابیت پر فائز ہو گیا۔ اگر کوئی صحابی نہیں بن سکا اور اسے ایمان نصیب ہو گیا۔ اور وہ نیک بن گیا، متقی بن گیا پھر بھی اس کی اور صحابی کے دل کی کیفیت میں اتنا فاصلہ ہو گیا کہ حضورؐ کا ارشاد موجود ہے کہ صحابی مٹھی بھر جو صرف کرتا ہے تو بعد میں آنیوالا اللہ کی راہ میں اُحد کے برابر خرچ کرے۔ تو ثواب میں اس مٹھی بھر جو کو نہیں پہونچتا۔ کیونکہ وہ جس قرب کی کیفیت سے خرچ کرتا ہے وہ کیفیت اسے نصیب نہیں ہوتی۔ یہ جو فیض صحبت تھا، یہ کیا تھا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کو اللہ کے روبرو کر دیا اور اللہ کے کلام کو وہ بالکل اس یقین کے ساتھ سنتے تھے جیسے خود اللہ سے انہیں شرف ہمکلامی حاصل ہو اور اس اعتماد سے اس پر عمل کرتے تھے کہ جو کچھ ہے یہ واقعی حق ہے۔ یہی کیفیات جب سینہ بہ سینہ آگے چلیں تو ان کیفیات کو پہونچانے اور سکھانے کا جو فن تھا یا جو علم تھا اس کے نام تصوّف پڑ گیا جس طرح مختلف فنون کے نام فقہ، حدیث، تفسیر، مختلف شعبے تقسیم ہوئے مختلف فنون کے مختلف نام بنے۔ اس طرح ان کیفیات کو بانٹنے کا نام تصوّف پڑ گیا۔ تو اب تصوّف کیا ہے؟ تصوّف یہ ہے کہ سینہ میں وہ قوت، وہ نورانیت، وہ جذبہ، وہ کیفیت موجود ہے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے ہمارے دل میں بھی وہ کیفیت آجائے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ کے روبرو محسوس کریں، ہم اپنے رب کو اپنے پاس موجود پائیں۔ ہمیں یہ یقین آجائے کہ واقعی میرا رب میری ضروریات سے واقف ہے۔ ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ واقعی یہ کائنات اس کی ہے اور اس میں اس کا حکم نافذ ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ لیکن جب یہ کیفیات ختم ہو گئیں یہ برکات نہ رہیں تو واقعی اس کی جگہ ہندوانہ رسومات نے لے لی۔ جس طرح ہندوؤں میں برہمن درمیان میں آگیا یا عیسائیت میں پادری درمیان میں آگیا۔ ہم مسلمانوں میں پیر درمیان میں آگیا اور ہم نے یہ سمجھا کہ ہماری رسائی تو پیر تک ہے۔ اس سے آگے پیر جانے اور خدا جانے۔ اس حالت کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہمارا تصوّف بھی شاید ہندوؤں سے ماخوذ ہے۔ دوسروں نے کہا یہ ایک متوازی اسلام ہے۔ تیسروں نے کہا کہ اس کا اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں۔ یہ کہنے والے سب ہماری اس حالت کو دیکھ کر کہتے ہیں۔ لیکن اگر ان سب

کو یہ معلوم ہو جائے یا انہیں کسی ایسے صاحب حال یا صاحب دل کے پاس چند روز، چند ساعتیں، چند لمحے بیٹھنا نصیب ہو کہ خود ان کے دل کی کیفیت میں کوئی مثبت تبدیلی آجائے۔ تو انہیں بھی انکار کرنے کی شاید ضرورت پیش نہ آئے۔ انکے انکار کا سبب بھی ہماری کمزوریاں ہیں۔ پیروں کی بھی اور مریدوں کی بھی۔

ان آیات میں اس سارے جھمیلے کا حل بڑے خوبصورت انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا۔ سن غور سے، پوری طرح متوجہ ہو کر سن لیجیے۔ کان کھول کر سن لیجیے۔ 'الآ' ۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے۔ "اِنَّ" یہ پکی بات ہے۔ 'الآ' کے بعد پھر اِنَّ کے ساتھ تاکید، اسے مؤکد کیا۔ یہ بڑی یقینی بات ہے۔ "اولیاء اللہ" ایسے لوگ جنہیں اللہ کی ولایت حاصل ہو جائے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ نہ انہیں آئندہ کا ڈر رہتا ہے۔ نہ کبھی وہ گزشتہ پر پریشان ہوئے "خوف" ہوتا ہے کسی آئندہ حادثے کا خطرہ، 'حزن' ہوتا ہے۔ جو کچھ بیت چکا ہے۔ اس کا دکھ یا پریشانی۔ تو فرمایا، ولایت الٰہی میں کمال یہ ہے کہ انسان اس قدر مطمئن ہو جاتا ہے۔ ایک مضبوط ہستی کے ساتھ اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ ایک طاقتور ہستی کے ساتھ اس کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔ ایک عظیم پروردگار کے ساتھ اس کی نسبت ہو جاتی ہے۔ یوں تو ساری مخلوق اسی کی ہے۔ لیکن اس کا ایسا اعتماد قائم ہو جاتا ہے کہ جو گزر چکا ہے۔ اسے اس کا دکھ نہیں ہوتا، کہ لاکھوں پریشانیوں سے گزر کر آخر اپنی منزل تک تو پہنچ گیا۔ اور جو منزل پر پہنچ جائے وہ راستے کے دکھ بھول جاتا ہے اور آئندہ کیا ہو گا۔ اسے کوئی فکر نہ ہو کہ جب اللہ میرے ساتھ ہے تو کیا ہو گا۔ مجھے کیا فکر ہے، جو ہو گا، سو ہو گا، میرے لیے میرے رب کی حفاظت کافی ہے۔ اس آئندہ ہونیوالے میں خواہ آپ موت مابعد الموت، برزخ یا قیامت کے حادثے کو لے لیں تو آخرت کے بارے میں بھی اس آئہ کریمہ میں ذکر موجود ہے۔ چونکہ آخرت بھی تو آنے والا حادثہ ہے۔ تو فرمایا۔ ولایت الٰہیات، اللہ کی دوستی تو اتنی عظیم چیز ہے۔ اب دیکھیں نا، کسی شخص کی دوستی اس ملک کے صدر کے ساتھ ہو تو اس ملک کے کسی محکمے کا خوف ہوتا ہے اسے ؟ آپ کہتے ہیں۔ پولیس بڑی سخت ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آپ کہتے ہیں، انکم ٹیکس کا محکمہ بڑا سخت ہے۔ لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کہتے ہیں فلاں محکمے کی گرفت میں جو آجائے۔ اسے نہیں چھوڑتے۔ لیکن وہ شخص ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جو شخص اس پورے ملک کے سارے محکموں پر حکومت کر رہا ہے جب میری دوستی اس کے ساتھ ہے۔ اس کا تحفظ مجھے حاصل ہے تو یہ چھوٹے موٹے محکمے میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ اب دوسری طرف آیئے۔ جس شخص کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے، وہ کیا ان چھوٹے چھوٹے حادثوں کو خاطر میں لائے گا؟ اور اگر واقعی ہمیں ان چھوٹے موٹے حادثوں نے پریشان کر رکھا ہے تو ہمیں یہ سوچنا ہو گا کہ کیا ہمارے دل کا تعلق اللہ سے ہے یا ہم محض رسمی کلمہ ہی پڑھتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے محض رسماً زبان سے کلمہ کا اقرار کر لینا۔ یہ اور بات ہے اور ان کیفیات کو حاصل کرنا۔ یہ اور بات ہے۔ اب اس ہنگامۂ دار و گیر میں ہم جو بات لیکر بیٹھتے ہیں یہ بات بڑی نرالی ہے۔ بڑی عجیب اور بالکل انوکھی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ میاں ہمارے پاس آؤ۔ کچھ لمحے بیٹھو۔ ہم تمہیں کوئی ایسا کام نہیں کہیں گے جو خلاف شریعت ہو۔ حدود شرعی کے اندر رہ کر حلال کھاؤ۔ نماز وقت پر پڑھو۔ ہمارے ساتھ بیٹھ کر صرف اللہ اللہ کی تکرار کرو۔ تو نہ صرف یہ کہ تمہارا دل ذاکر ہو جائے گا۔ تمہارا ہر عضو بدن، بلکہ وجود کا ہر ذرا اللہ اللہ کرے گا۔ اس اللہ اللہ کرنے کا کیا فائدہ ہو گا۔ تمہیں اللہ پر اعتماد حاصل ہو جائے گا۔ تم اللہ کے ہو جاؤ گے۔ تمہیں اللہ ہوتے ہوئے

کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے حیا آئے گی۔ ولی اللہ کون ہوتے ہیں۔ "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا" ایسے لوگ جنہیں کامل یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ اور انہیں پھر اللہ کے ساتھ وہ تعلق ہو جاتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے یا غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے اللہ سے حیا آتی ہے۔ پھر انہیں تقویٰ نصیب ہو جاتا ہے۔ تو گویا ہماری مثال یہ ہے۔ میں اپنے بارے عرض کردوں۔ میری مثال یہ ہے۔ جیسے دلدل کے درمیان کوئی پتھر پڑا ہو۔ جو گزرنے والوں کو دلدل میں گرنے سے بچانے کے لیے ہے۔ اپنے اوپر لوگوں کے پاؤں سہار کر انہیں دوسرے کنارے پہنچا دے۔ اس حد تک تو درست ہے لیکن اگر کوئی اسی پتھر کو کنارہ سمجھ کر وہیں ڈیرہ لگا لے تو وہ کبھی کسی کنارے نہیں پہنچ سکے گا۔ یا کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کو بھی اسی دلدل سے لتھڑ دے تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ آئندہ آنیوالوں کے لیے راستہ بند کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی سراسر زیادتی ہوگی۔ یہ سب میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ دنیا کا ایک قاعدہ ہے۔ بیماری کیلئے علاج ہے جیسطرح ایلوپیتھی ہے جیسطرح طب یونانی ہے، جس طرح مسنون دعائیں۔ طب نبوی میں علاج موجود ہے۔ اسی طرح بعض اوقات قرآن حکیم کی بعض آیات پڑھ کر پھونک مار دینے سے بھی اللہ شفا دے دیتے ہیں۔ لیکن اس کے جواز کی ایک حد ہے اور ایک ضمنی سی بات ہے کہ کبھی حرارت پڑ جائے تو کوئی اسے استعما کر لے۔ لیکن اگر اس تعلق کو صرف تعویذ گنڈوں تک محدود کر دیا جائے تو یہ گمراہی ہوگی۔ یہ ہدایت کا راستہ نہیں ہوگا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں تنگ آچکا ہوں اس بات سے کہ لوگ مجھ سے تعویذ حاصل کریں۔ میرا یہ پیشہ نہیں ہے۔ میں خدا کے راستے میں دیوار نہیں ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسا تعویذ نہیں ہے کہ اللہ کی مخلوق کی تعداد بڑھا سکوں یا گھٹا سکوں۔ کوئی ایسا تعویذ نہیں ہے کہ جسے خدا پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ میں تعویذ لکھدوں، تو وہ آدمی پیدا ہو جائیگا۔ کوئی ایسا تعویذ میرے پاس نہیں ہے کہ جسے خدا پیدا کرنا چاہتا ہے۔ میں تعویذ لکھدوں خدا پروگرام بدل دے اور وہ پیدا ہونے سے رک جائے۔ جسے اللہ بیمار کرنا چاہتا ہے۔ اسے میں شفا نہیں دے سکتا۔ جسے رب شفا دینا چاہتا ہے۔ میں اسے بیمار نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ دولت دینا چاہتا ہے میں اس کا دست قدرت نہیں روک سکتا۔ جس پہ وہ مفلسی بھیجنا چاہتا ہے۔ میں اس کے خزانے سے چھین کر اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ میں بالکل تمہاری طرح کا ایک آدمی ہوں۔ بعض اوقات تم سے بھی کمزور اور اس دفعہ میری صحت شاید تم سب سے زیادہ کمزور ہے جو خود بیمار ہوتا ہے، دوسروں کو شفا کیسے دے گا۔ جسے خود بھوک ستاتی ہے اس سے تم رزق کی امید کیوں وابستہ کرتے ہو۔ جو خود سو جاتا ہے وہ تمہاری نگہبانی کب کرے گا۔ اگر آپ یہ امیدیں لیکر میرے پاس آتے ہیں تو میرا خدا گواہ ہے، میں آپ کے کسی کام نہیں آسکتا۔ آج بھی کہہ رہا ہوں۔ میدان حشر میں بھی کہہ دوں گا کہ خدایا میں نے انہیں بتا دیا تھا اگر یہ اپنے آپ کو ساتھ دھوکا کرتے تھے تو یہ خود کرتے تھے۔ ہاں میں یہ ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ مجھ پہ اللہ کا یہ احسان ہے کہ میں ایک نگاہ میں ایک شخص کے وجود کے ایک ایک ذرے کو اللہ کا ذکر سکھا سکتا ہوں۔ یہ مجھ پہ اللہ کا احسان ہے، جس کام کیلئے برسوں لگتے ہیں۔ جس کے لیے بڑے بڑے صوفی برسوں وقت طلب کرتے ہیں۔ مجھے اللہ نے یہ قوت بخشی ہے وہ بات میں ایک لمحے میں کر سکتا ہوں۔ یہ اللہ کی عطا ہے۔ اگر تو آپ اُس کے طالب ہیں تو یہ اس کے راستے کی ایک منزل ہے کہ اپنے ماحول میں پھیلی ہوئی دلدل میں آپ کو ایک مضبوط چٹان مل سکتی ہے، جس پہ آپ پاؤں رکھ کر اللہ کی بارگاہ تک تو پہنچ سکتے

ہیں۔ لیکن اس سے بُت نہیں تراش سکتے۔ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص مجھے غیر ضروری اہمیت دے۔ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص میرے ہاتھ کو بوسہ دے۔ مجھے سب سے زیادہ اس وقت غصہ آتا ہے۔ جب آپ مجھ سے غیر ضروری تعویذ طلب کرتے ہیں۔ میں تعویذوں کے خلاف نہیں ہوں لیکن میں اس بات کے خلاف ہوں کہ خدا کو بھول کر مخلوق پہ بھروسہ کر لیا جائے۔ تعویذوں کو بھی اس حد تک رکھیں۔ جس حد تک آپ میڈیکل سائنس سے مدد لیتے ہیں۔ جس حد تک آپ حکیم سے مدد لیتے ہیں۔ اس حد تک کسی نے دم کر دیا۔ یا تعویذ لکھ دیا۔ ہو سکتا ہے۔ ٹھیک ہو جائے ہو سکتا ہے نہ ہو۔ لیکن یہ کیا تُک ہے۔ گائے دودھ نہیں دیتی۔ بچہ روتا ہے۔ تو تعویذ لکھنے سے بچہ روئے گا نہیں، غزلیں پڑھنا شروع کر دے گا۔ بچہ روئے گا نہیں تو بچہ کرے گا کیا۔ رونے یا ہنسنے کے علاوہ بچہ کر بھی کیا سکتا ہے۔ بچے کو بھوک لگے گی۔ روئے گا۔ پیاس لگے گی روئے گا۔ بیمار ہو گا روئے گا۔ کوئی چیز مانگنی ہو گی روئے گا۔ ہر ضرورت کا اظہار وہ رو کر ہی کرے گا۔ وہ روئے گا، آپ متوجہ ہوں گے کہ اسے کیا چاہیئے۔ آپ ایمان سے بتایئے کہ ایک طرف جواہرات بٹ رہے ہوں اور وہیں گاجر مولیاں بھی رکھی ہوں تو آپ کس طرف ہاتھ بڑھائیں گے؟ کیا کہیں گے آپ فی الحال تو گاجریں دے دیں۔ جواہرات بعد میں آ کر لے لیں گے۔ وہاں چونکہ دنیا سامنے ہے۔ وہاں آپ کی عقل کام کرے گی کہ یہ جواہرات لے لو۔ گاجر مولیاں ہر جگہ ملتی ہیں۔ یہاں آپ کی عقل کیوں جواب دے جاتی ہے۔ میاں اللہ اللہ کر لو۔ یہ جنس نایاب ہے۔ بندے کو پیدا کرنا، مارنا اس کا اپنا کام ہے وہ کسی کے تعویذوں کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ چاہے تو زندہ انسان کو ایک گھونٹ پانی کا نصیب کرے۔ یا پینے سے روک دے۔ وہ روک سکتا ہے۔ اور میں بالکل ایک عام آدمی ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کئی مہینوں سے میں نے چینی نہیں چکھی۔ اللہ نے مجھ پہ بند کر دی ہے۔ اس کی مرضی، ساری دنیا کھاتی ہے، میں نہیں کھا سکتا۔ میں بوریوں کے حساب سے خریدتا ہوں اور خود نہیں کھا سکتا۔ جس کا اپنا یہ حال ہے وہ آپ کی کیا مشکل کشائی کرے گا۔ لیکن اگر آپ اللہ اللہ سیکھتے ہیں، اللہ اللہ کرتے ہیں۔ آپ کے دل میں اللہ موجود ہے تو آپ کو ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے میری ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ آپ اس اللہ سے کیوں نہیں کہہ سکتے۔ میں نے اپنے شیخ کے ساتھ ۲۵ برس گزارے ہیں۔ حاجی محمد خاں ہم سے پہلے سے حضرت جیؒ کے ساتھ تھے۔ ۲۲ سال راجہ محمد یوسف بھی ہمارے ساتھ رہے۔ انہیں میں سے کوئی میرے متعلق بتا دے کہ میں نے پچیس برس میں ایک بھی تعویذ لکھوایا ہو۔ کیا ہم انسان نہیں تھے۔ ہماری ضروریات نہیں تھیں۔ ہمیں دنیوی تکالیف نہیں ہوتی تھیں۔ ہم بیمار نہیں ہوتے تھے۔ ہمارے بیوی بچے نہیں تھے۔ سب کچھ تھا۔ لیکن شیخ سے جو کچھ ہم لینا چاہتے تھے وہ بہت قیمتی چیز تھی۔ وہ بہت ہی بڑھیا اور اعلیٰ چیز تھی۔ اس لیے ہم اس طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ ہمارے شیخ کی یہ عجیب عادت تھی۔ کبھی کبھی آپ کے خطوط آتے تو ان میں لکھا ہوتا (میرے پاس اب بھی پڑے ہیں) میرے فلاں کام کے لیے دعا کرنا میں بڑا حیران ہوتا، عجیب بات ہے۔ حضرت ہمیں کہتے ہیں دعا کرو۔ مجھے اب سمجھ آتی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم کوئی تعویذ مانگنے جائیں۔ حضرت ہماری تربیت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بھی اللہ کی بارگاہ سے چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ تم اپنے لیے بھی وہیں سے مانگو۔ میرے لیے بھی مانگ لیا کرو۔ یہ بھی تربیت کا ایک حصہ ہوتا تھا کہ طالب کو اللہ سے مانگنے کی عادت ڈال جائے اگر آپ لوگوں نے مجھے زندگی میں ہی ایک خانقاہ بنا لیا ہے۔ تو مرنے کے بعد کون سا جھنڈا ہے۔ جو قبر پہ نہیں گاڑا جائے گا۔ وہ لوگ

صالح تھے، نیک تھے۔ ان کی قبریں بھی دیکھ لو۔ چٹیل میدان کی طرح پڑی ہیں۔ ان پہ ایک اینٹ بھی نہیں لگی ہوئی (جبکہ دنیاداروں کی قبروں پہ مقبرے بننے پہ دس دس لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا۔ یعنی مر کر بھی انہوں نے قوم کا سرمایہ نہیں چھوڑا) کیسے مخلص لوگ تھے کہ مٹی کے وہی چند ہیلچے جو مرتے لمحے کسی نے ڈالے ہیں۔ انہیں میں آرام کر رہے ہیں۔ حالانکہ مرید تو یہ لوگ انہیں کے ہیں۔ کاشغر سے لیکر سان فرانسسکو تک۔ جماعت تو انہیں کی ہے لیکن قبر پہ کوئی پیسہ پائی کسی نے نہیں لگایا۔ اس لیے کہ نہ دنیا ان کے دل میں تھی، نہ دنیا ان کی قبر پہ سوار ہے۔ ہمارے لیے ہمارے پیشرو نمونہ ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کل میری قبر پہ جھنڈے گڑے ہوں۔ شیشے لگے ہوں۔ اور بلب جگ مگ جگ مگ کر رہے ہوں، اور ڈھول سارنگیوں والے بیٹھے ہوں۔ اگر آپ اپنے حال پر رحم کرنا چاہتے ہیں تو خدا کے لیے مجھے اس دَل دَل میں گھسیٹنے کی کوشش مت کریں۔ میں بالکل اپنے شیخ کی طرح کسی چٹیل میدان میں تنہا سکون سے رہوں گا۔ انشاءاللہ جہاں تجلیات باری نصیب ہو سکتی ہوں۔ جہاں ذکر قلبی نصیب ہو سکتا ہو جہاں بال اور کھال ذاکر ہو سکتی ہو۔ وہاں اس نعمت کو چھوڑ کر آپ اس بات پہ بیٹھ جائیں۔ مجھے یہ تعویذ دیدو۔ مجھے وہ دم کر کے دے دو۔ مجھے یہ کر دو۔ میری بیوی ڈرتی ہے۔ میرا بچہ روتا ہے۔ بیویاں ڈرتی ہیں اور بچے روتے ہیں۔ یہ دنیا کا اصول ہے۔ ہر گھر میں صحت اور بیماری، امارت و غربت، طاقت اور کمزوری اور بڑھاپا، اقتدار اور زوال۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ نظام ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ جن ملکوں میں گورے حکومت کر جاتے ہیں۔ ان کی اولادیں انہیں ممالک میں گھاس کرتی ہیں۔ اور جو لوگ کسی ملک میں گداگری کرتے ہیں۔ ان کی پشت میں اسی ملک کے حکمران پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ قانون ہے اللہ کا۔ ایسا ہوتا ہے۔ جو لوگ دھکا دے کر دیوار گرا دیتے ہیں۔ ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ چلنے کے لیے دیواروں کا سہارا لیتے ہیں۔ جو لوگ میلوں تک دیکھنے کی سکت رکھتے ہیں، ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ ٹٹول کر چیز تلاش کرتے ہیں۔ یہ میرے رب کا نظام ہے۔ اسے نہ آپ روک سکتے ہیں۔ نہ میرا تعویذ نہ کسی کا دم۔ نہ کسی کی پھو۔ اگر آپ نے اس طرح سے سمجھا ہے تو آپ کو غلطی لگ رہی ہے۔ دھوکا لگ رہا ہے۔ کیونکہ میں جیتے جی مزار نہیں بننا چاہتا۔ مجھے قطعاً یہ بھی پسند نہیں ہوتا کہ میں آؤں اور آپ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہوتی۔ مجھے سخت ناپسند ہے۔ میں بالکل ایک عام آدمی کی طرح رہنا آسان سمجھتا ہوں۔ میری اپنی ڈیوٹی۔ میرا اپنا فریضہ ہے۔ آپ کا اپنا فریضہ ہے۔ ادب و احترام ظاہری نمائش کے تقاضے نہیں کرتا۔ جہاں ادب و احترام ہوتا ہے، وہ بات کرتے میں بھی، ملاقات میں بھی، چلنے پھرنے میں بھی نظر آتا رہتا ہے۔ اس کیلئے ظاہری چیزوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور اگر کسی شخص کے دل میں یہ بات آجائے کہ اس کے آنے پر لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں تو اللہ کے عذاب کی گرفت میں آنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔

اسی لیے رب جلیل نے فرما دیا۔ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا فی الآخرہ۔ جنہیں ولایت الٰہیہ حاصل ہو جائے ان کے لیے دنیا کی زندگی بھی مبارک ہے۔ آخرت کی بھی مبارک ہے۔ ان کی موت بھی مبارک ہے۔ قبر بھی مبارک ہے۔ حشر و نشر بھی مبارک ہے۔ آخری زندگی بھی مبارک ہے۔ اور لاتبدیل لکلمٰت اللہ۔ یہ رب کی باتیں ہیں انہیں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ بدلی نہیں جائیں گی۔ بالکل اسی طرح واقع ہو گا۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ ولا یحزنک قولھم۔ اب رہے وہ لوگ جو محض اللہ سے دوسری کی وجہ سے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے عناد کی وجہ سے، اسلام پر طنز کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو دکھ پہونچاتے ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں۔ میرے حبیب آپ انکی باتوں سے دکھی نہ ہوں۔ اس لیے کہ عزت انکی باتوں میں نہیں ہے۔ اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا۔ عزت سارے کی ساری اللہ کے لیے ہے۔ وہ جسے چاہے دے۔ جب اس نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو دے گا۔ ان کی باتیں وہ چھین نہیں سکتیں۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ"۔ اور وہ سنتا بھی ہے اور اگر تم نہ مانگو تو بھی تمہاری ضرورت سے واقف ہے کہ وہ علیم ہے۔ یعنی جب بھی، جہاں بھی، جو مانگو وہ سنتا ہے اور اکثر اوقات تم اپنی ضرورت سے واقف نہیں ہوتے۔ تم تو تب مانگتے ہو جب تمہیں علم ہوتا ہے کہ مجھے کیا چاہیئے۔ لیکن جن باتوں کا تمہیں علم نہیں ہوتا مگر وہ جانتا ہے۔ تمہیں کیا کیا چاہیئے۔ لیکن فرمایا؛ یہ بھی کان کھول کر سن لو۔ یہاں بھی اَلَاۤ بھی ہے اور اِنَّ بھی اَلَاۤ اِنَّ۔ یعنی خبردار یہ پکی بات ہے۔ یہ بھی کان کھول کر سن لو۔ لِلّٰہِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ جو کوئی آسمانوں میں ہے۔ وہ فرشتہ ہے یا ارواح ہیں، یا انبیاء ہیں یا کوئی ہے۔ اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کے لیے ہیں۔ وَمَنْ فی الارض اور جو کوئی زمین پر ہیں۔ وہ جن ہیں۔ انسان ہیں۔ فرشتے ہیں، ولی ہیں۔ پیر ہیں۔ نبی ہیں۔ رسول ہیں۔ بڑے سے بڑی کوئی ہستی ہے۔ اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کیلئے ہے۔ یعنی زمینوں میں کوئی ہے۔ آسمانوں میں کوئی ہے۔ اللہ کی حکومت اس پر ہے۔ اللہ پر کسی کی حکومت نہیں۔

اور فرمایا؛ کبھی بھول کر بھی ایسے لوگوں کا ساتھ مت دینا جو اللہ کے ساتھ کسی بھی وصف میں۔ اس کی ذات میں یا اس کی صفات میں کسی بھی دوسرے کو شریک کرلیں۔ ان کا ساتھ مت دینا۔ وہ اپنی ذات میں بھی اکیلا اور یکتا ہے۔ اپنی صفات میں بھی واحد ولاشریک ہے۔ نہ کوئی ذات میں اس کا شریک ہے۔ نہ کوئی اوصاف میں اس کا شریک ہے۔ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ الاَّ الظن۔ یہ محض وہم کے پیچھے بھاگنے والے لوگ ہیں۔ وان ھم الا یخرصون۔ یہ سوائے ٹکریں مارنے کے انہیں کچھ حاصل نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ۔ وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے رات پیدا کر دی۔ اب بظاہر دیکھیں کہ دن کے مقابلے میں رات کتنی عجیب لگتی ہے، روشنی گئی، ہر طرف تاریکی کا راج ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ کام بند ہو گئے۔ گویا موت چھا گئی ہے لیکن اللہ فرماتا ہے۔ اگر دیکھو تو یہ بھی اس کی رحمت ہے۔ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ۔ اس نے اسلئے بنا دی ہے کہ تم دو گھڑی آرام کر لو۔ یعنی اگر صحت کے بعد بیماری بھیج دیتا ہے۔ اگر امارت کے بعد غربت آجاتی ہے اگر کوئی کسی کمال کے بعد کوئی زوال آجاتا ہے تو اس بھی اس کی کوئی نہ کوئی رحمت پنہاں ہوتی ہے اور اس انسان کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس پر وہ دور آئے۔ وہ وقت آئے کہ ضرورت سے انسان آگاہ نہیں ہوتا۔ لیکن وہ رب العلمین ہے۔ وہ آگاہ ہوتا ہے کہ اسکو اب اس چیز کی ضرورت ہے۔ جس طرح ہم رات کی تاریکی سے گھبرا جاتے ہیں لیکن اگر ایک رات نہ آئے، مسلسل دو دن اکٹھے آجائیں تو ہمارا حوصلہ جواب دے جاتا ہے۔ بظاہر ہم رات کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن اگر دو دنوں میں سے ایک رات نکال دی جائے تو شاید ہم یہ گھنٹے بھی برداشت نہ کر سکیں۔ یہ رات کا سکون ہے۔ یہ رات کے لمحے ہیں۔ جو ہمیں نیند کی آغوش میں لے جاتے ہیں۔ اور پھر سے ہماری توانائیاں بحال ہو جاتی ہیں۔ تو فرمایا جس طرح اس نے بظاہر تاریکی بھیج دی۔ لیکن اس کی اندر تمہارا آرام محفوظ کر دیا۔ اسی طرح بعض اوقات بیماریاں آتی ہیں اور ممکن ہے ان میں تمہارے لیے گناہوں سے مغفرت کی نوید ہو۔ ممکن

ہے اس بیماری کے باعث تمہیں توبہ کرنے کی توفیق مل جائے۔ ممکن ہے اس بیماری کے پیچھے کوئی صحت مندی کا بہت بڑا راز ہو۔ جسے تم نہیں سمجھ سکتے ہو۔ والنہار امبصرا۔ تو فرمایا۔ جسطرح رات دن کو بدلتا رہتا ہے۔ کچھ کام تمہارے دن سے نکل آتے ہیں۔ کچھ کام تمہارے رات سے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح صحت اور بیماری، امارت و غربت، بڑھاپا اور جوانی یہ تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ اور وہ ہر حال سے اپنے بندوں کے اور ہر ہر بندے کے حال سے واقف ہے، پھر بھی اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو۔ تو فرمایا: میرے ساتھ بات کیا کرو، کسی اور کے ساتھ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سارا انتظام میرا ہے۔ نبی اور رسول مبعوث ہوتے ہیں تو لوگوں کا اللہ کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے، خدا سے جو مخلوق بچھڑ چکی ہوتی ہے۔ انہیں دوبارہ اللہ کے دروازے تک پہونچانے کے لیے۔ ان لفی ذالک لآیات القوم الیسمعون جن لوگوں میں سننے اور سمجھنے کی کچھ صلاحیت باقی ہے۔ فرمایا ان کے لیے تو بہت بڑے بھرپور دلائل ہیں اور خدا نہ کرے کہ آدمی سمجھنے اور سننے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھے، تو اگر سننے اور سمجھنے سے عاری ہو گا تو پھر اصلاح کا دروازہ ہی بند ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اللہ کریم ہمیں نیکی کو سمجھنے کی اور اس پہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے دلوں کو اپنی ذات سے آشنا کرے اور ہمارے ہاتھوں کو اپنے دروازے کی طرف اٹھا لے اور اپنے سوا کسی کے سامنے ہمارا دست تمنا دراز ہونے سے بچا لے۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العلمین

(خطبہ جمعۃ المبارک ۲۷ مئی ۱۹۸۸)

جب ایک ضروری کام کی موجودگی میں دوسرا ضروری کام آپڑے

۱۱۵۸ — حدیث ابن عمرؓ: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ احزاب (خندق) سے فارغ ہو کر لوٹے تو آپؐ نے حکم دیا: کوئی شخص نماز عصر نہ پڑھے جب تک کہ بنی قریظہ میں نہ پہنچ جائے۔ پھر بعض لوگوں کو عصر کا وقت اثنائے راہ میں آ گیا تو ان میں سے کچھ کہنے لگے ہم تو جب تک بنی قریظہ میں نہ پہنچ جائیں نماز عصر نہ پڑھیں گے اور کچھ نے کہا کہ نہیں ہم تو نماز پڑھیں گے کیونکہ آپؐ کی مراد یہ نہ تھی کہ نماز قضا کی جائے (بلکہ ارشاد کا مدعا یہ تھا کہ روانگی میں عجلت کی جائے) بعد ازاں جب اس معاملہ کا ذکر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کیا گیا تو آپؐ دونوں میں سے کسی کے طرز عمل پر ناراض نہ ہوئے۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۱۲ صلاۃ الخوف: باب ۵ صلاۃ الطالب والمطلوب راکبا و ایماءً،

حیات موت اور بعد الموت

(حضرت مولانا محمد اکرم اعوان)

زندگی آپ کی عنایت ہے　　ورنہ ہم مر گئے ہوتے

جہاں تک انسانیت کی کوئی بھی خبر مورخ کے ہاں ملتی ہے۔ اگرچہ تہذیبوں کا اختلاف ہو، رنگت جداگانہ ہو کردار الگ ہوں۔ مگر ایک بات ضرور اور یقینی طور پر ملتی ہے اور وہ ہے "مذہب" یہ الگ سوال ہے کہ کسی کا مذہب حق تھا یا نہیں مگر تھا ضرور۔ اگر کسی جنگل میں کسی کھوہ میں کچھ لوگ بالکل وحشیانہ زندگی گذارتے ہوئے ملتے ہیں تو وہاں بھی مذہب یا مقدس رسومات ضرور ملیں گی۔ بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ آج کے اس مادی اعتبار سے بلند ترین تہذیبی دور میں جنگلی قبائل موجود ہیں۔ جن کے بارے پچھلے دنوں اخباروں میں تھا کہ ایک سفید فام سائنسدان ان کا نوالہ بن گیا۔ وحشت اسقدر کہ انسان کو کاٹ کر کھا گئے مگر مذہبی رسومات ضرور ادا کی ہوں گی۔

اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مذہب انسان کی فطرت میں رکھدیا گیا ہے اور وہ اس کی خانہ پری ضرور کرتا ہے۔

دوسری بات جو تمام مذاہب باطلہ میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے یعنی سب میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مذہبی رسوم کے ساتھ دنیوی فوائد کو جوڑ دیا جاتا رہا ہے۔ اور اب بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے کہ فلاں رسم ادا کرنے سے دولت ملتی ہے وہ دیوتا راضی ہو جاتے تو اولاد عطا کرتا ہے یا فلاں رسم صحت کے حصول کے لیے ضروری ہے اور فلاں کی خوشنی میں اقتدار پنہاں ہے وغیرہ۔ یہ سب اس لیئے ہوا کہ بانیان مذاہب کے اپنے علوم دنیا ہی کے گرد گھومتے تھے۔ اس سے آگے کیا ہے یا اس سے پہلے کیا تھا۔ یہ موضوع عقل انسانی کی براہ راست رسائی سے ہمیشہ بالاتر رہا اور رہے گا۔ اسی لئے علوم عقلیہ کیلیے ایمان بھی شرط نہیں صرف عقل کی سلامتی اور حصول کے مواقع درکار ہیں۔ جیسے ڈاکٹر فلسفی یا سائنسدان کوئی بھی بن سکتا ہے۔ انجنیئر، ٹیکنیشن وغیرہ۔ یہ سب کمال مومن بھی سیکھ سکتا ہے اور کافر بھی۔ کہ یہ عقل سے تعلق رکھتے ہیں عقل انسانی میں کچھ قوتیں ایسی بھی رکھی گئی ہیں کہ اگر کوئی شخص بعض خاص طریقوں سے محنت کرنا شروع کر دے تو وہ ایسے کمالات حاصل کر لیتا ہے جو عام انسانوں کے لیے باعث حیرت بن جاتے ہیں، جیسے ٹیلی پیتھی یا ہندو جوگیوں کا طریق کار۔ مگر یہ بات خاص طور پہ یاد رکھنے کی ہے کہ وہ صرف ایسے کمالات حاصل کر سکتے ہیں جو مادی ذرائع سے بھی کیئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً دور کی بات کا پتہ چلا لینا یا ایک جگہ سے غائب ہو کر دوسری جگہ موجود ہونا یا کسی کو اپنے دماغ کے زیر اثر کر لینا وغیرہ لیکن نہ وہ زندگی کی حقیقت کا پتہ پاتے ہیں نہ موت کی اصلیت کا اور نہ موت کے بعد کی خبر لا سکتے ہیں نہ فرشتے دیکھ سکتے ہیں نہ ان کی بات

سنائی دیتی ہے۔ ہاں ابلیس سے رابطہ کرسکتے ہیں۔ آسمان سے اوپر کی خبر نہیں رکھتے۔ ان کے سارے کمالات عالمِ اسباب کی حدود کے اندر ہوتے ہیں۔ اس کے لیے مسلمان یا کافر کی قید نہیں، محض بنی آدم ہونا کافی ہے۔ بشرطیکہ طریقہ مل جائے اور محنت کرلے۔ ان کی عملی زندگی کا درست ہونا بھی شرط نہیں، بلکہ عموماً عملی پہلو تباہ حال ہی ہوتا ہے۔

ان سب کے مقابل اسلام ہے۔ جو ابتداء ہی اللہ کی توحید سے کرتا ہے اور رسالتِ نبوی کا اقرار جس کا لازمی اور ضروری جزء ہے، جس کے بغیر ناقابلِ قبول ہے۔ سوائے ایسی صورت کے کہ کسی تک نبوت کی تعلیمات اور خبر ہی نہ پہنچی ہو۔ اور محض عقل سے توحیدِ باری کا اقرار کرلے تو اسے کفایت کریگا۔ اس کے بعد اسلام جو فلسفہ دیتا ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ اللہ کریم نے ساری مخلوق پیدا فرمائی جس کا ہر فرد ہر ذرہ اس کی ہمہ وقت اطاعت میں لگا ہوا ہے اور اسطرح ایک کارگاہِ حیات ترتیب دی، جو خوبصورت بھی ہے اور لذیذ بھی، جس میں قوس و قزح کے رنگ بھی ہیں اور گل و بلبل کی داستانیں بھی، کہیں گہرے نیلے سمندر ہیں تو بلند قامت پہاڑ بھی ہیں، گھنے جنگلات کے پہلو بہ پہلو وسیع صحرا بھی ہیں، جھرنے بہتے ہیں ندیاں گنگناتی ہیں اور بہاریں پھول نچھاور کرتی ہیں۔ سورج کی ضیا پاشیاں ہیں تو برسات کی پھواریں بھی ہیں ہر لمحہ ہر آن حیات آفریں و حیات بخش ہے کوئی نہیں جانتا ایک لمحے میں کتنی نئی زندگیاں جنم لیتی ہیں لیکن ہر زندگی کے پیچھے موت کا شکاری نشانہ لیے ہوئے ہے۔ ہر دن رات کی زد پر ہے ہر بہار خزاں کا لقمہ ہے۔ برف سے ڈھکے پہاڑ آگ اگلنے لگتے ہیں۔ سمندر پیچھے ہٹ جاتا ہے نئی زمین نکل آتی ہے، آگے بڑھتا ہے تو شہروں کے شہر تہہ آب چلے جاتے ہیں، غرض مسلسل توڑ پھوڑ کا عمل بھی جاری ہے، مگر یہ عالم ویسے کا ویسا آباد بھی ہے تو یقیناً یہ توڑ پھوڑ نہیں بلکہ وہ کریم کسی کے لیے تازہ بتازہ رونقیں، بہاریں رنگ بکھیرنے کے لیے پہلے سے موجود اشیاء کو وہاں سے ہٹاتا رہتا ہے وہ کون ہے وہ انسان ہے صرف انسان جو اس کی تخلیق کا شاہکار ہے۔

شاہکار اس لیے کہ یہ ساری کائنات اس کے حکم کی تابع مگر اس کی ذات کی طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت نہیں رکھتی نہ اتنا شعور رکھتی ہے کہ اس کی عظمت کی ذرہ خوشبو بھی سمو سکے، مگر انسان کو وہ شعور دیا ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اسکی ذاتی عظمت و شان کی پہچان حاصل کرلیتا ہے اور پھر اس کا دل چاہتا ہے کہ اس حسنِ لازوال کے قدموں میں بکھر جاؤں، لہٰذا اس کی اطاعت اختیار کرلیتا ہے۔ اپنی پسند سے اپنے اختیار سے اور اپنے فیصلے سے۔ یہ اسلام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی کی طرف دعوت دی۔ جن کے نصیب نے یاوری کی اور انہوں نے قبول کرلیا انہیں زندگی کرنے کا وہ سلیقہ سکھایا جو ربِ جلیل نے پسند فرما کر مقرر فرما دیا تھا۔ اس میں، اس کی عبادت بھی ہے کہ رشتۂ الفت استوار رہے اور دل جمالیات کے ذوق سے محروم نہ ہو بلکہ اس حسنِ بے مثال کو دیکھے۔ جس کا ادنیٰ سا اشارہ تمام جہانوں کے حسن کی تخلیق کا باعث بنا اور پھر اس کی اطاعت میں لگ جائے گھر میں، بازار میں، شہر میں، جنگل میں، وہ کسی کا ہو کے رہے کسی کے حسن کا اسیر کسی کے جمال کا طالب کسی کے قرب کا پیاسا، کسی کو پانے کے لیے جان ہارے مگر طلب سے باز نہ آئے یہ اسلام ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہ اطاعت سے صحت یا دولت یا شہرت ملے گی بلکہ فرمایا، میں چاہوں تو یہ چیزیں چھین کر تمہاری طلب کا امتحان لوں گا کہ ان اشیاء کے طالب ہو یا میرے اور صرف میری رضا کے۔

اس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں آنے سے پہلے کی بابت ارشاد فرمایا اور حق ہے جو بھی آپ نے فرمایا۔ آخری کتاب جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی۔ اس میں خود ذات باری نے اطلاع دی کہ انسان جسم اور روح سے مل کر بنا ہے۔ جسم مادی ہے اور اس کی غذا دوا ضروریات مادی ہیں۔ اس کے حواس مادی ہیں آنکھ ناک کان وغیرہ اس لیے دیکھے گا، مادی حسن کو سنے گا، مادی آواز کو طلب کریگا۔ تو یہ ہیں مادی اشیاء اور مادی راحتیں مگر روح کا تعلق امر ربی سے ہے۔ اسکی زندگی مشروط ہے عالم امر کے تعلق سے جیسے جسم کو حیات پانے کے لیے مادی دنیا سے متعلق ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ تعلق جسم کو تخلیق کے وقت نصیب ہوتا ہے تب وہ روح کو سمونے کے قابل بنتا ہے اور روح کو جب ایمان نصیب ہوتا ہے۔ وہ خود زندہ ہو جاتا ہے پھر جس قدر قرب نبوت سے سرشار ہونا نصیب ہوا اسی قدر حیات قوی ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ زندہ روح والے لوگ ہیں جو بستے اس دنیا میں ہیں مگر خبر اگلی دنیا کی رکھتے ہیں۔ اور سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتے ہیں کہ کہیں لغزش نہ ہو جائے اور وہ حقیقی حیات اس سے متاثر نہ ہو ان کے علوم وسیع ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ نبی کے فرشتے سے ہمکلام ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں اولیاء اللہ کو بھی یہ نعمت نصیب ہوتی ہے۔ ام موسیٰ، حضرت مریم اور استقامت دکھانے والے بندوں سے فرشتوں کا کلام کرنا کتاب اللہ میں ثابت ہے۔ ہاں نبی اور ولی کے کلام میں یہ فرق ہوتا ہے کہ نبی اللہ کے احکام پاتا ہے۔ جن کی ساری امت مکلف ہوتی ہے۔ ولی انہی احکام کی وضاحت اور تشریح حاصل کر سکتا ہے۔ نیز دوسرا اس کے کشف و مشاہدہ پر عمل کرنے کا مکلف نہیں ہوتا۔

اس کے بعد موت ہے اسلامی عقیدے کے مطابق موت بھی حیات کی طرح اللہ کی مخلوق ہے اور اس راستے سے (یا اگر دروازے کہا جائے تو زیادہ مناسب رہے گا) گزر کر انسان اگلی دنیا میں قدم رکھتا ہے اور ایک ایسی زندگی شروع ہو جاتی ہے جو اگلی دنیا کی ایک انتظار گاہ کا درجہ رکھتی ہے۔ موت کسی فنا کا نام نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ایک درجے سے دوسرے درجے میں منتقل ہونے کا نام ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل، اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی

کتاب اللہ کی اصطلاح کے مطابق اسے عالم برزخ اور اس کی زندگی کو برزخی زندگی کہا گیا ہے۔ حدیث شریف کی تشریحات پر نظر کی جائے تو حاصل یہ بنتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں عمل کرنے کا موقع تھا۔ ایک طرف نیکی اور بھلائی اللہ کی طرف دعوت موجود تھی۔ مگر دوسرا راستہ اختیار کرنے پر بندش نہ تھی۔ یہاں آکر نیا عمل کرنے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ جس درجہ کا انسان تھا اس کے مطابق یہاں اس کی رہائش کا اہتمام کر دیا جاتا ہے۔ مومن، صالح، شہید، صدیق یا بدکار، بے دین اور کافر دنیا میں جسم مکلف بالذات اور روح اس کے واسطے سے مکلف تھی یعنی موجود تھی مگر بظاہر جسم نظر آتا تھا کام وہی کرتا تھا۔ اثرات دونوں پر مرتب ہوتے تھے۔ گرمی سردی، بھوک، پیاس اور دن رات کا تعلق جسم سے تھا۔ یہاں بات بدل گئی روح مکلف بالذات اور جسم اس کے تابع ہو گیا۔ رات دن، گرمی سردی اور سب کچھ براہ راست روح سے متعلق اور

اس کی وساطت سے ہر اس ذرے تک اثرات پہنچتے ہیں جو اس کا بدن رہا ہو اور پھر فنا ہو چکا ہو جل گیا ہو، درندوں نے کھا لیا ہو یا قبر کی مٹی نے، مگر مادہ کسی نہ کسی صورت میں کہیں نہ کہیں موجود اور اپنی روح سے متعلق رہتا ہے۔ اسی لیے مومن کو دفن کیا جاتا ہے کہ روح ایک جگہ سے متعلق رہے اور ہر ذرے کے پیچھے اس کی شعاعیں لپکتی نہ رہیں۔ بعض ارواح زندگی میں اس قدر قوت حاصل کر لیتی ہیں کہ موت کے بعد وجود سے بہت مضبوط تعلق رکھتی ہیں اور ایسے ابدان گلنے سڑنے تک سے محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ تر و تازہ پائے جاتے ہیں۔ جس کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ شہدائے اُحد کے اجسام چھیالیس برس بعد موجودہ جگہ سے منتقل کیے گئے۔ سلطان نورالدین زنگی کے زمانے میں روضۂ اطہر کے گرد جالی بنانے کے لیے نیچے پانی کی سطح تک کھدائی کی گئی تو سیدنا فاروق اعظمؓ کا پاؤں مبارک کھل گیا۔ اب ۱۹۷۸ء میں مسجد نبوی کے ساتھ ایک محلہ مسمار کر کے برابر کیا گیا تو دو صحابہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد گرامی کے اجساد مبارک نکال کر جنت البقیع میں دفن کیے گئے جو تر و تازہ تھے۔ اکناف عالم میں ایسی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ اور سب سے مضبوط تعلق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہوتا ہے۔ جس میں پوری دنیا کی زندگی کا وہی تعلق پایا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ باعتبار عالم کے نوعیت بدل کر عالم برزخ سے متعلق کر دی جاتی ہے۔ اسی کو حیات النبی کہا جاتا ہے۔ اگر چاہیں تو "حیات انبیاءؑ" نامی رسالے کو ضرور دیکھیں۔ حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعلق ایسا مضبوط ہے کہ آپ ہی کی نبوت ضوفشاں ہے اور تعلیمات و برکات کے چرچے ہر سو موجود ہیں اور رہیں گے۔ عام آدمی کا تعلق بھی دنیا سے اس قدر رہتا ہے کہ اعمال جاریہ کا اجر پہنچتا رہتا ہے۔ کوئی کنواں، ہسپتال یا رفاع عامہ کا کام کر گیا تھا یا نیکی کی تعلیم دی تھی۔ یا نیک اولاد چھوڑی تھی تو اس کا اجر وہاں ملتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مرنیوالے کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔ قربانی دی جا سکتی ہے۔ خیرات و صدقات وغیرہ اور اگر مسلمانوں کی قبور پہ گزر ہو تو السلام علیکم کہنا مسنون ہے کہ وہ سن سکتے ہیں۔ ہاں جواب پانے کے لیے روح میں ایک خاص استعداد شرط ہے۔ جو برکات نبوت سے نصیب ہوتی ہے۔ ورنہ انبیاء نے تو بطور معجزہ مردے دوبارہ دنیا کی زندگی میں واپس لا کر دکھا دیئے۔ بہر حال برزخ کا ایک سرا دنیا سے متعلق ہے اور دوسرا آخرت سے ملتا ہے۔ پھر عالم اپنی زندگی پوری کر چکے گا تو قیامت قائم ہو گی یہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے ختم ہو کر ساری انسانیت ایک وقت ایک جگہ اللہ کے حضور پیش ہو گی۔ جہاں یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ کون ایسا تھا جو اللہ کے لیے زندہ رہا اور اس کی طلب میں فوت ہوا اور کون ایسا تھا جس نے یہ اعلیٰ خصوصیت کھو دی اور محض دنیا کے حسن پہ فدا ہو کر زندگی ہار دی۔ اول الذکر اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے اپنے اصل مقام پہ پہنچ جائیں گے۔ جس کا نام اللہ کریم نے جنت ارشاد فرمایا ہے اور دوسرے بدنصیب غضب الٰہی کا شکار ہو کر جہنم رسید ہوں گے جو بھٹکنے والوں کے پہنچنے کا مقام اور اللہ کی ناراضگی کا مظہر ہے۔ اور یہ دور نہ ہو گا۔ جب موت ختم کر دی جائے گی۔ یعنی زندگی اپنی اصل روانی کو پہنچے گی تو موت ختم ہو جائیگی۔ اور زندگی کبھی ختم نہ ہو گی۔ اب یہ زندگی کے مقابلے میں بہت چھوٹی سی چیز بھلا زندگی کو کیسے نگل سکتی ہے۔ اس کا خاتمہ معلوم جبکہ زندگی کا دوسرا سرا ہی نہیں۔ یہاں سے منزل پہ پہنچنے والوں کی بات شروع ہوتی ہے۔ جو بھٹک گئے بچھڑ گئے اور منزل سے دور چلے گئے ان کی بات نہ چھیڑیں۔ اور آیئے دعا کریں اللہ کریم ایسی محرومی سے محفوظ رکھے۔ ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور نیک انجام سے دوچار فرمائے آمین۔

یہ آخری منزل کیا ہے۔ اس کا نام کتاب اللہ میں جنت ارشاد ہوا ہے۔ اور یہ آخری منزل وہی منزل ہے وہی ٹھکانہ ہے جہاں حیاتِ انسانی کی ابتدار ہوئی تھی۔ جہاں آدم علیہ السلام رہے اور جہاں سے حضرت آدم اور حضرت حوا دنیا میں تشریف لائے۔ انہیں یہاں ضرور آنا تھا۔ ان کی اولاد کو ان تمام مراحل سے گزر کر وہاں پہنچنا تھا۔ لہٰذا وہ تشریف لائے معمورہ عالم آباد ہوا۔ ایک طرف انبیار علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقدس گروہ اللہ کی طرف دعوت دیتا رہا۔ مقابلے میں ابلیس نے اپنا جال پھیلایا۔ اس میں لذاتِ دنیا کے رنگ سجائے۔ خوش بخت تھے وہ لوگ جنہوں نے انبیار کی دعوت قبول کی اور بدنصیب فانی، وقتی اور جھوٹی لذتوں میں گرفتار ہو کر ابلیس کے دامِ تزویر میں اسیر ہوئے۔ فیصلہ سب کا اپنا تھا۔ لہٰذا یوم حشر میں اعلان ہوا کہ لو فیصلہ تمہارا اپنا ہے اور تم ہی پہ لاگو کیا جائے گا۔

جنت کو سمجھنے میں بھی کچھ جلد بازی کی جا رہی ہے اور کچھ سمجھانے والوں نے بھی اسے گورکھ دھندا بنا دیا ہے۔ پہلی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ محض جنت بجائے خود مقصدِ حیات نہیں۔ انسانی زندگی اس سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ مقصدِ حیات وہ حسنِ لازوال ہے۔ اس کی رضامندی اور خوشنودی ہے، اس کی محبت، اس کا جنوں ہے جو جنت کا بھی خالق ہے۔ ہاں جنت اس کی رضامندی کی سند ضرور ہے، اس کے قرب کا مظہر ہے۔ اس لیے مطلوب ہے۔ جیسے کاغذ کا پرزہ فی نفسہٖ کوئی قیمت نہیں رکھتا، مگر سرکاری مُہر اور اندراجات اسے ایک ہزار کا نوٹ بنا دیتے ہیں۔ دوسرا تصور جو اس سلسلے میں دیا جاتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ کوئی خاص قسم کے لوگ جنت میں جا سکیں گے۔ یہ ہر کس و ناکس کے لیے نہیں جس کا نتیجہ ہماری عملی زندگی سے ظاہر ہے کہ ہم صدارتی ایوان کی خوبیاں تو سنتے ہیں مگر کبھی وہاں جا کر رہنے کی نہیں سوچتے۔ وہ ایک خاص طبقہ ہے جو وہاں کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ عام آدمی کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ جنت اولادِ آدم کا گھر ہے۔ اگر ساری انسانیت اس کی طرف چل پڑے تو سب اسے حاصل کر لیں۔ رب کریم نے کسی پہ پابندی نہیں لگائی یہ صرف کسی خاص طبقے مثلاً علماء یا پیروں کے لیے نہیں بلکہ اولادِ آدم کے لیے ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس راستے پر چلنا شروع کر دے جو وہاں پہنچتا ہے اور بس۔ اس راہ کی بنیاد: ایمان، سفر، زادِ سفر یا سواری عمل صالح ہے جس کی رفتار کا انحصار محبت و عشقِ الٰہی کی گہرائی و گیرائی پہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بانٹنے اور اس راستے پر لوگوں کو چلانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی شرط عائد نہیں فرمائی۔ گورے، کالے، امیر، غریب، پڑھے لکھے، اَن پڑھ، مرد، خواتین سب کو صلائے عام ہے۔ اب یہ بات کہ وہ گھر کیسا ہے تو اس کی خصوصیات بیشمار ہیں۔ وہاں ایسی نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سُنی ہوگی۔ داخلہ نصیب ہو تو پھر کبھی وہاں سے نکالے جانے کا کوئی خطرہ نہیں اور موت پہلے ختم ہو چکی ہوگی نیز وہاں روح اور بدن برابر مکلف ہوں گے۔ یعنی آدمی جسمانی نعمتوں اور لذتوں سے بھی لطف اندوز ہوگا۔ اور روحانی کیفیات و لذات سے بھی۔ آدمیوں سے بھی بات کر سکے گا اور اسی انداز میں فرشتوں سے بھی۔ داخلے تک دنیا کا اثر ہوگا۔ قد و قامت پہ، مزاج پہ، رنگ روپ پہ، مگر وہاں داخل ہونے سے پہلے سب کچھ بدل جائے گا۔ رنگ حسین، قد و قامت وہاں کے معیار کے مطابق اور عمر نوجوانی کی عطا ہوگی جو نہ ڈھلے گی نہ اسے بڑھاپے کا خطرہ ہوگا۔ بہترین لباس اور نفیس غذاؤں کے ساتھ حسین مرغزاروں پہ ہمیشہ جوبن ہوگا۔ داخلے سے پہلے دل اس ماحول کے مطابق ڈھل جائیں گے۔ شکوے اور رنجشیں نہ ہوں گی۔ ہر طرف محبت ہوگی، پیار ہوگا۔ وہاں

کی بہاریں خزاں کے خطرہ سے نا آشنا ہوں گی۔ سپیدہ سحر کا وقت ہمیشہ رہے گا۔ نہ دھوپ کی حدت کا خطرہ، نہ رات کی تاریکی کا، کسی قسم کی کوئی ناپسندیدہ صورتِ حال نہ ہوگی۔ اور نہ کوئی ناپسندیدہ آواز ابھرے گی۔ کھانا پینا ہو گا۔ مگر فضلات نہ ہوں گے۔ کسی طرح کی گندگی کا وہاں کوئی تصور نہیں۔ ایک خوشبودار پسینہ نکلے گا جو کھانے کا نتیجہ ہو گا۔ کوئی تھوک وغیرہ تک نہ ہوگی۔ وہاں کا اصول یہ ہو گا کہ تکمیل کے اسباب ضرورتوں کو تلاش کریں گے۔ یہاں سبزے کو زندہ رکھنے کے لیے پانی لانا پڑتا ہے۔ وہاں پانی تلاش کرے گا کہ اسے کہاں پہنچنا ہے۔ یعنی نہریں باغوں کے تابع ہوں گی۔ ان خوش نصیبوں کو سلام کرنے فرشتے تک آیا کریں گے۔ اور حقیقی نعمت: اللہ کا ذاتی دیدار ہو گا۔ جو ہر جنتی کو نصیب ہوا کرے گا۔ کسی کو سال میں ایک بار، چھ ماہ بعد، مہینہ بعد، ہفتہ بھر بعد، یوم جمعہ کو یا پھر روزانہ اور یا ہر آن، اسی لحاظ سے درجہ بندی ہوگی، لوگ مختلف درجوں میں ہوں گے۔ جس کے قابل دنیا میں کسی نے خود کو بنا لیا۔ یا جو اللہ نے توفیق بخش دی۔ یہ سب نعمتیں مرد اور عورت کے لیے بحیثیت انسان ہوں گی ہر ایک کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ اس میں اس نے کس قدر کامیابی حاصل کی، انحصار اس بات پر ہو گا۔ یہ محض ایک ادنیٰ سی جھلک ہے حدیث شریف میں بہت سی وضاحت ملتی ہے اور غنیۃ الطالبین میں جنت و دوزخ دونوں کے بارے بہت احادیث یکجا کر دی گئیں۔ وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہاں دو طرح کے خادم فرشتوں کے علاوہ بھی ہوں گے۔ یہ محض ایک ادنیٰ سی جھلک ہے حوریں خوبصورت نوجوان اور جنت کی مخلوق۔ اکثر علماء کرام ان بچوں کو بھی شامل فرماتے ہیں جو کفار کے ہاں پیدا ہوئے اور بالغ ہونے سے پہلے مر گئے۔ واللہ اعلم۔ لیکن حوریں جنت ہی کی مخلوق ہیں۔ جن کے بارے بہت مزید یار سوال ہوا کہ حوریں تو مردوں کو عطا ہوں گی، خواتین کے لیے کیا ہے۔ اس سوال کی بنیاد ایک غلط فہمی پر ہے اور یہ کہ خواتین نے انہیں اپنا ہم پلہ یا برابر فرض کر لیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ وہ ان کی جگہ لے لیں گی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں، عورت انسانیت کا فرد ہے۔ دنیا میں آئی۔ اسکی طرف نبی مبعوث ہوئے۔ اس نے موانعات سے منہ موڑ کر اللہ کی اطاعت کر کے اس کی معرفت اور اس کے قرب کے مدارج حاصل کیے۔ لہٰذا عورت کی حیثیت اپنی ہوگی۔ جنت میں داخل ہونیوالے مرد اور خواتین تین طرح کے ہوں گے۔ غیر شادی شدہ، شادی شدہ میاں بیوی، شادی شدہ میاں بغیر بیوی کے یا بیوی بغیر خاوند کے یعنی دوسرا ایمان نہ لے جا سکا اور جنت میں نہ پہنچا تو پہلی بات تو عرض کر دی ہے کہ داخلہ کے وقت سب کی عمریں یکساں ہو جائیں گی، دل شفاف اور دنیا کے غصے سے فارغ، جنت والی محبت سے بھر جائیں گے۔ صورتیں حسین ہو جائیں گی۔ جو میاں بیوی داخل ہوں گے ان میں محبت پیدا ہو کر تعلق بحال رہے گا۔ جو لوگ اس کے بغیر ہوں گے وہ جوڑا اہل جنت سے چن لیں گے۔ نہ صرف جنتی دوزخ والوں کو دیکھ سکیں گے بلکہ دوزخ والے بھی انتہائی گہرائی میں ہونے کے باوجود اہل جنت کو دیکھ سکیں گے، بات کر سکیں گے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ وہ حسرت سے دیکھیں گے اور کہیں گے۔ چند گھونٹ پانی ہی ہماری طرف اچھال دو مگر اہل جنت کا جواب ہو گا کہ اللہ نے کفار کے لیے منع فرما دیا ہے۔ یعنی کسی جنتی کے دل میں دوزخ والوں کے لیے جذبات نہ ہوں گے، اگرچہ چاہیں تو انہیں دیکھ سکیں گے۔ ان کی بات سن سکیں گے۔ اور موت کے بعد تو ان سب حقائق کو کافر بھی دیکھ لے گا۔ دنیا میں لپٹے ہوئے انبیاء کے دیکھنے میں تو کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ اولیاء اللہ کو بھی انبیاء کی کامل غلامی کے طفیل یہ درجہ نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ چاہے جس قدر چاہے ان چیزوں سے پردہ ہٹا لے اور وہ دیکھ لیں اسی کو کشف کہا جاتا ہے۔

دیکھنا دل کی آنکھ سے ہوتا ہے ظاہر کی آنکھ سے نہیں اگرچہ بیداری میں اور حسب خواہش ہوتا ہے تو جس طرح دوزخ والوں سے کوئی ہمدردی کا جذبہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اہل جنت سے جذبۂ رقابت بھی نہ ہوگا۔ صاف ستھری محبت ہوگی اور مرد و عورت دونوں کا ایک مقام و مرتبہ ہوگا جبکہ حور کا ذکر اللہ کریم نے جنت کی نعمتوں اور انعامات کے ساتھ فرمایا ہے بالکل ایسے ہی جیسے شاہی محل میں ایک ملکہ ہو اور سینکڑوں خادمائیں۔ مگر وہ سب ملکر بھی ملکہ کا مرتبہ نہیں پا سکتیں یہ اعزاز صرف خواتین کو نصیب ہوگا۔ اور وہ بھی کیا ملکہ ہوئی جس کے محل میں کوئی خادمہ ہی نہ ہو۔ ہاں اب بات رہ گئی جنس اور اس کے تعلقات کی تو دنیا میں اس کی ضرورت بقائے نسل کے لیے تھی۔ مگر اس میں رغبت بھی تھی۔ وہاں چونکہ جسمانی لذات کا اہتمام بھی ہوگا۔ کھانا، پینا، لباس، گھر، سامان راحت وغیرہ تو یہ سب کچھ ضرور ہوگا مگر اس میں بھی دو باتیں نہ ہوں گی۔ اوّل تو اولاد کا مقصد ختم ہو چکا۔ اب مزید نسل نہیں چلے گی، دوسرے دنیا کی طرح اس میں کوئی آلائش یا آلودگی نہ ہوگی اور تیسرے کوئی بھی غیر محل پہ کبھی رغبت نہ کریگا۔ بیشک یہ حوریں مردوں پہ حلال ہوں گی۔ مگر ہر ایک پہ اپنی اپنی اور جس طرح دنیا میں کنیز حلال کی گئی۔ مگر مالکہ کا مقام اپنا ہے اور کنیز کا اپنا۔ ایسے ہی وہاں خاتون کی اپنی عظمت ہوگی۔ اس لیے اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہاں جنت یورپی طرز کے کلبوں پہ قیاس نہ کریں۔ معاذ اللہ کہ جہاں مرد و عورت دونوں اپنی پسند اختیار کرنے میں ہر آن آزاد ہوتے ہیں، بلکہ ایک پسند جو ان لوگوں کی ہوگی۔ جو وہاں اکیلے جائیں گے۔ انہیں اس قدر محبوب ہوگی کہ اور کسی پسند کی خواہش نہ رہے گی۔ وہاں جذبات دنیا کی طرح قیاس نہ کریں جذبات بھی جنت کے ہوں گے۔ وہاں کی فضا اور ماحول کی مناسبت سے اور جو جوڑا جوڑا داخل ہوں گے۔ انہوں نے دنیا میں اپنے اختیار سے نکاح کیا تھا اگر بعد میں کوئی رنجش بھی پیدا ہو گئی ہو تو جنت کا داخلہ ایسے داغ دھو کر شفاف اور ستھری محبت عطا کر دے گا۔ بلکہ خواتین کے لیے تو اور بھی رعایت ہے کہ خاوند شہید ہو گیا یا زندگی بھر کی عبادت اور مجاہدے سے کسی مقام پر پہنچا تو منکوحہ بی بی ایمان لیکر فوت ہوئی اور جہنم سے بچ گئی تو بیوی خاوند کے گھر میں ہی تو رہے گی۔ خواہ اس کا اپنا مقام کچھ بھی ہو۔ جیسے کوئی غیر نبی، نبی کے مقام پہ نہیں رہ سکے گا۔ سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں کے کہ ان کے خاوندوں کے گھر ہوں گے۔

تو یہ ایک مختصر سا خاکہ انسانی زندگی کا ہے۔ جس کی بہت زیادہ تفصیل قرآن حکیم میں بھی موجود ہے۔ اور حدیث پاک میں بھی اور جس میں اصل لذت تو دیدار حق تعالیٰ کی ہوگی جو صرف انسانیت اور اولاد آدم علیہ السلام کا حصہ ہے جس میں دوسری کوئی مخلوق اس کی حصہ دار نہیں باقی سب لذات اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہاں ایک بات عرض کر دوں کہ جنات بھی شریعت پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ مگر جنات میں کوئی نبی گزرا ہے نہ انہیں اس کی استعداد دی گئی ہے اور وہ اس دنیا میں بھی تجلیات باری کی برداشت کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ کسی بھی جن کے بس کی بات نہیں کہ لطیفۂ قلب سیکھ سکے۔ جل کر خاک ہو جاتے ہیں۔ نیز کتاب اللہ میں کہیں جنات کے جنت میں داخلے کی بشارت نہیں دی گئی۔ بلکہ جہاں انہیں شریعت پر عمل کی دعوت دی گئی ہے وہاں صرف یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ اس طرح تم عذاب سے بچ جاؤ گے۔ لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ یہ مخلوق حساب کتاب کے بعد ختم ہو جائیگی یہ ہمیشہ نہ رہینگے نہ جنت میں داخل ہونگے۔ صرف ایک آیت جس میں حور کے بارے ارشاد ہے کہ جس جنتی کو نصیب ہوگی۔ پہلے کسی انسان یا جن نے اسے چھوا نہ ہوگا۔ تو یہ ارشاد دنیا کے اعتبار سے ہے کہ دنیا میں عورتوں

پر جنات مسلط ہو سکتے ہیں اور بعض اوقات جنسی تعلق بھی قائم کر لیتے ہیں تو اس اعتبار سے بات جب دنیا میں رہتے ہوئے انسان سے کی گئی تو کوئی یہ نہ سوچے کہ انسان کی ہی ضمانت دی گئی ہے ساتھ جنات کا تذکرہ فرما دیا۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ جن ضرور جنت میں جائیں گے۔ جبکہ بعض علماء نے اسی دلیل پہ یہ رائے بھی اختیار فرمائی ہے۔ مگر اس میں کوئی وزن نہیں اس کے وعدہ کا موقع تو اس جگہ ہے جہاں نیکی کے انعامات کا ذکر ہے۔ انسان کے لیے جنت کا ذکر جگہ جگہ موجود مگر جنات کو صرف عذاب سے بچ جانے کی خوشخبری دی ہے۔ واللہ اعلم بالثواب۔ بہر حال خواتین کو بھی چاہیئے۔ پورے شوق سے وہاں جانے کی تیاری کریں۔ کسی بھی طرح بددل ہونے کی کوئی بات نہیں اور اللہ مردوں کو اس کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین

فقیر محمد اکرم عفی عنہ

نیویارک - ۲۱-۶-۸۸

اسرار التنزیل

کی دوسری جلد چھپ چکی ہے

کیا

آپ نے اس کی کاپی حاصل کر لی ہے ؟

پہلی اشاعت سے محدود تعداد باقی رہ گئی ہے، یہ نہ ہو کہ آپ کو

اگلی اشاعت کا انتظار کرنا پڑے

قیمت غیر مجلد - /۵۰ روپے

مجلد آرٹ پیپر - /۱۰۰ روپے

آدابِ فرزندی

(حافظ عبدالرزاق)

دین اسلام کے اجزائے ترکیبی بنیادی طور پر دو ہیں یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ انسان کی سیرت کی تعمیر، انسان کی انفرادی زندگی کا سکون اور اجتماعی زندگی میں امن اور خوشحالی کا دار و مدار ان دو قسم کے حقوق کی ادائیگی میں کماحقہ کوشش کرنے میں مضمر ہے۔

حقوق العباد کے ضمن میں سرِفہرست والدین کے حقوق کا ذکر آتا ہے اور قرآن حکیم نے سورۃ النساء، سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ لقمان میں بالخصوص اور باقی کئی مواقع پر بالعموم والدین کے حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور بعض مقامات پر تو قانونی دفعات کی صورت میں بعض امور کا ذکر فرمایا اور اس طرح گویا آدابِ فرزندی سکھائے ہیں۔

اس عنوان کو ایک مقام پر ایک جلیل القدر پیغمبر یعنی حضرت اسماعیل کی نسبت سے   مختصر سی آیت میں کچھ اس انداز سے بیان فرمایا کہ گویا آدابِ فرزندی کا عملی نمونہ اور اس کی معراج دیکھنا مقصود ہو۔ تو اس عظیم شخصیت کی زبان سے نکلے ہوئے ایک جملے پر غور کرو اس مضمون میں علمائے اخلاق کی ضخیم کتابیں ایک طرف اور اس "ننھے رسول" کا ایک جملہ ایک طرف پھر بھی وہ ایک جملہ بھاری ہے۔

باپ بیٹے کے درمیان مکالمے کے دوران ایک جملہ جو اس عظیم ہستی کی زبان سے نکلا وہ اس سارے تناظر میں دیکھیے

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔

سو جب وہ ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے عرض کی ابا جان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریے انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

ذرا چشم تصور کے سامنے یہ منظر لائیے۔ ایک شخص بوڑھا ہو چکا ہے۔ اپنے رب سے صالح اولاد کے لیے دعا مانگتا ہے دعا قبول ہوتی ہے ایک حلیم الطبع فرزند ملنے کی بشارت سنائی جاتی ہے۔ بیٹا عطا ہوتا ہے۔ تصور کیجئے کس قدر خوشی ہوگی۔۔ اس کے بعد درمیانی کڑیاں رہنے دیجئے کیونکہ اللہ کے خلیل کی آزمائش کے مراحل تھے۔ اب یہ دیکھئے کہ جب بوڑھا باپ بچے کی پرورش کے کٹھن مراحل طے کر کے اس حالت میں پہنچتا ہے کہ بچہ اب باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ تو سوچئے باپ کے دل میں اس بچے کے مستقبل کے ساتھ کیسی کیسی امیدیں وابستہ ہونگی اس حالت میں حکم ملتا ہے کہ بچے کو ذبح کرو اور حکم بھی فرشتے کے ذریعے نہیں بلکہ خواب کے ذریعے جس میں ہزار تاویلیں کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہاں یہ خواب اللہ کے خلیل کو دکھایا گیا سوال یہ ہے کہ جب حکم تھا تو بلا حیل و حجت اس کی تعمیل کیوں نہ کر دی گئی بچے سے رائے لینے کا کیا مطلب؟

یہاں سے آدابِ فرزندی کا نمونہ دکھایا جا رہا ہے نہیں بلکہ آدابِ فرزندی سکھائے جا رہے ہیں۔

آپ نے کبھی غور کیا کہ بچے سے پوچھنا جو تیرہ سال کی عمر کا تھا کیا رائے لینے کے لیے تھا۔ اگر یہی بات ہوتی تو بچے کی ماں سے مشورہ لیا ہوتا۔ مگر نہیں۔ اللہ کا خلیل جانتا تھا کہ عورت خواہ وہ خلیل کی بیوی ہی ہو آخر عورت ہے اور غیر نبی ہے۔ وہ کیا سمجھے مقام نبوت کو اور عظمت رسالت کو مگر بچہ اَلنَّبِیُّ نَبِیٌّ وَلَوْ کَانَ صَبِیًّا۔ نبی نبی ہی ہوتا ہے اگرچہ وہ بچہ ہو۔ چنانچہ بچے کی یہ نبوی بصیرت تھی کہ باپ کہتا ہے خواب دیکھتا ہوں بچہ کہتا ہے جو

آپ کو حکم ملا ہے۔ بلا تامل اس کی تعمیل کر گزریے۔ پیدائشی نبی تھے اس لیے سمجھ لیا۔ کہ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے اور وحی حکم الٰہی ہے تو بوڑھے باپ نے جو سوال کیا وہ رائے لینے کے لیے نہیں بلکہ یہ دیکھنے کے لیے کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں ایک بچہ بوڑھے باپ کے ساتھ تعاون کس انداز سے کرتا ہے۔ یہی ہے وہ مقام کہ آداب فرزندی یکے بعد دیگرے سامنے آتے ہیں مثلاً (۱) پہلا ادب یہ ہے کہ اطاعت کافی نہیں اتباع کی ضرورت ہے اور اتباع کیا ہے کہ محبوب کے حکم کا انتظار کرو۔ اس کی پسند و ناپسند اور اس کی خواہش کو بھانپ لو۔ سو بچے نے بھانپ لیا کہ باپ کو ایسا جواب دے کر امتثال امر میں اس کا حوصلہ اور بلند ہو۔

(۲) دوسرا ادب یہ نظر آتا ہے کہ جہاں بات اللہ کے حکم کی تعمیل کی ہو۔ وہاں بلطیب خاطر اپنے آپ کا پیش کر دینا تاکہ باپ کے انداز تربیت پر حرف نہ آئے۔

(۳) جواب میں ایک باریک نکتہ یہ نظر آتا ہے کہ بچے کو پدری شفقت کا بھی احساس تھا۔ اس لیے خیال کیا کہ وقت ذبح جب میرا اضطراب میری پریشانی کا منظر سامنے آیا تو کہیں شفقت پدری تردد کی کیفیت پیدا نہ کر دے اس لیے یقین دلایا کہ میں کسی قسم کی بے صبری کا اظہار نہیں کروں گا۔

(۴) یہ انداز جہاں آداب فرزندی کی ایک شق ہے وہاں مقام عبدیت کا نمونہ بھی ہے۔ کہ لفظ انشاء اللہ کے ساتھ بات کو مشروط کر دیا۔ یعنی یہ بلا کا صبر میری ذات ہمت اور قابلیت کی بنا پر نہیں ہو گا بلکہ محض اللہ کی توفیق شامل حال ہو گی۔

(۵) یہ کہ یہ قربانی پیش کر کے میں کوئی صبر کی بے مثال صورت پیش نہیں کروں گا بلکہ میں جانتا ہوں کہ ایثار اور امتثال امر کی راہ پر جو قافلے اب تک چلتے آ رہے ہیں میں اپنے آپ کو ان میں شمار کر لینے کی سعادت حاصل کروں گا۔

یہی وہ آداب فرزندی ہیں کہ ایک عارف نے یہاں تک کہہ دیا ہے

پسر خلیل کی سیکھ ادا جو ہے ذبح ہونے کی آرزو
جو چھری رکے تو رکے مگر نہ مڑ کے پلٹے ترا گلا

یہ آداب فرزندی سیکھنے کا مشورہ کیوں؟ اس لیے کہ قرآن حکیم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں کتاب ہدایت ہے۔ لہٰذا یہ ندا

اللہ کریم نے اس سلسلے میں یہ برکت
یہ قوت رکھی ہے اور یہ واحد سلسلہ ہے جو مخلوق
کے ساتھ اختلاط سے منع نہیں کرتا گھروں میں
رہو، کاروبار کرو، دکانیں کرو، ملازمت کرو، بیوی
بچوں کے ساتھ رہو لیکن مقررہ طریقے سے مقررہ
اوقات پر ذکر کرتے رہو تو تمہارا سینہ منور رہے گا
(حضرت مولانا محمد اکرم)

تاریخی واقعہ نہیں بلکہ مسلمان بچوں کو آداب فرزندی سکھانے کے لیے ایک نمونے کی مثال ہے۔

مگر یہ کیا بات ہے کہ مسلمان بچے آج آداب فرزندی سے یکسر نا آشنا ہیں۔ انہیں یہ آداب کیوں نہیں سکھائے جاتے۔ مگر کون سکھائے؟ بچے کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے اور دوسری تربیت گاہ سکول اور کالج ہیں۔ ان دونوں کا حال یہ ہے کہ ؎

بچے میں بو آئے اسلاف کے اطوار کی
دودھ ہے ڈبے کا اور تعلیم ہے سرکار کی

سکول اور کالج کی رونق جن لوگوں سے ہے ان کی حالت یہ ہے کہ ؎

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

سکول اور کالج میں کیا ہوتا ہے یہی ہوتا ہے کہ

BROTHER COME AND DANCE WITH ME

اور وہ ہوتا ہے کہ کسی دل جلے نے یہاں تک کہہ دیا کہ ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بچے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

خیر چلیے سکول اور کالج بہترین تعلیمی مراکز ہی بن جائیں تو پھر کیا ہو گا؟ یہی نا کہ دماغ ہر قسم کی معلومات کا خزانہ بن جائیں گے۔ اور آداب فرزندی تو ایک فن ہے نرا علم یا فلسفہ نہیں اور فن کا تعلق عملی زندگی سے ہوتا ہے۔ خیر یہ پہلو تو پھر بھی تشنہ رہا کیونکہ ؎

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی۔ آدمی بناتے ہیں

پھر آدابِ فرزندی کہاں سے سیکھے جائیں؟ یہی وہ سوال ہے جو ترجمانِ حقیقت نے قوم سے کیا۔ ؎

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

ظاہر ہے کہ اسماعیلؑ نے تو کسی مکتب میں داخل ہونا تو کیا نام بھی نہیں سنا تھا۔ پھر آدابِ فرزندی کہاں سے سیکھے جواب صاف ہے کہ فیضانِ نظر تھا، مگر یہ فیضان نظر کیا ہوتا ہے کہاں سے ملتا ہے۔ ہاں تو فیضان نظر، اہلِ نظر سے ملتا ہے۔ وہ جن کی نظریں پاکیزہ ہوں۔ وہ جن کی نظروں کا فوکس اللہ کی رضا، اللہ کی محبت اور اللہ کی اطاعت ہو اور پھر ان نظروں میں روحانی اور اخلاقی کشش ہو۔ جاذبیت ہو دلبری ہو۔ ؎

یہ عشوہ ہائے جوانانِ ماہ سیما چیست
در آ بحلقۂ دیرے کہ دلبری داند

تو اللہ کے خلیل کی نظروں میں پاکیزگی تھی تو انتہائی درجے کی کشش تھی تو بلا کی۔ دلبری تھی تو انتہا کی۔ اس لیے یہ فیضانِ نظر پہنچا یوں جیسے ریڈیو ایکٹو ویوز پہنچتی ہیں۔ یوں آدابِ فرزندی سکھائے جیسے ریموٹ کنٹرول کا عمل ہوتا ہے۔ انبیاء میں یہ فیضان نظر بلا کا ہوتا ہے۔ کوئی قتل کی نیت سے آتا ہے ایمان فیضان نظر کے اثر سے بندۂ بے دام بن جاتا ہے۔ اور یہی خیر میراث کے طور پر انبیاء کے خادموں میں آتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آج کے بوڑھے مسلمان اس دولت سے کیوں محروم ہیں؟ کیا خاتم النبیینؐ کے فیضانِ نظر کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ نہیں اُدھر سے سلسلہ باقاعدہ جاری ہے ہم نے اِدھر سے منہ موڑ لیا ہم نے اپنے دل کے ظرف کو اوندھا کر کے پہلو میں دفن کر لیا۔ آج بوڑھے باپ اپنے بچوں سمیت ٹی۔وی کے سامنے بیٹھے نہایت خشوع و خضوع سے نیم برہنہ بنی ٹھنی، اخلاق باختہ اداکاراؤں کی تصویروں پر ٹکٹکی لگائے بیٹھے ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان نظروں کا فیضان کیا ہو گا۔

پھر "ہمارا اسلامی پریس" اس پر مستزاد، روز ایک رنگین ضمیمہ جس میں زیادہ سے زیادہ ننگی تصویروں کا اہتمام کیا گیا ہو۔ لازماً پیش کیا جاتا ہے۔ جب نگاہوں کے لیے یہ سامان ہے تو دل کی حالت کیا ہو گی۔؟

نگاہ پاک ہے تیری تو دل بھی پاک تیرا
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو

لوگو! ہوش کرو اور بے حیائی کے سیلاب میں بہتی ہوئی اس نوجوان نسل کو تباہ ہونے سے بچاؤ۔

اگر آدمی بالکل خاموشی سے بیٹھا رہے اور آرام سے اللہ ہو اللہ ہو کرتا رہے تو یہ بھی ذکر ہو گا، دل پر اثر بھی چھوڑے گا انوارات کو اخذ بھی کرے گا لیکن اس کے لیے صدیاں چاہئیں، عمریں چاہئیں مدتیں چاہئیں چونکہ اس طرح بیٹھنے سے مسلسل ایک جگہ متوجہ رہنے سے اور مسلسل یکسوئی سے خون میں ایک خاص حدت پیدا ہونا شروع ہو جائے گی لیکن اس کا درجہ انتہائی کمزور اور خفیف ہو گا اور پھر وہ بڑی مدت کے بعد اس کیفیت کو جا کر حاصل کرے گی جہاں واقعی انوارات جذب کرنے کی قوت اس میں پیدا ہو گی۔ ہمارے اس سلسلہ اویسیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے جو طریقہ تجویز فرمایا ہے اس کی بنیاد محض وہم پر یا محض کسی اٹکل پچو پر نہیں ہے بلکہ یہ ان کی عمروں کے نچوڑ ہیں اور حاصل ہیں۔ تو یہ جو ہم ذکر کرتے ہیں اور اس میں کہہ بھی دیا جاتا ہے کہ زور سے بھی کرو اور قوت سے بھی کرو اور کوئی سانس خالی بھی نہ جائے۔

تو اصل مقصود یہی ہے کہ انسان کی پوری توجہ اس طرف ہو جائے کہ ہر سانس کے ساتھ لفظ اللہ داخل ہو رہا ہو اور ہر خارج ہونے والے کے ساتھ ہو کا شعلہ بلند ہو رہا ہو تو یہ سانس قوت سے تیزی سے چلے گا یہ خون کو وہ ٹمپریچر دے گا، وہ درجہ حرارت دے گا وہ خصوصی کیف دے گا جو جذب انوارات کے لیے ضروری ہے اور جو کام سالوں میں ہونا چاہیے وہ لمحوں میں ہو جائے گا۔

(مولانا محمد اکرم مدظلہ)

DAILY
NAWA-I-WAQT
RAWALPINDI

روزنامہ
نوائے وقت
راولپنڈی
بانی حمید نظامی مرحوم　ایڈیٹر مجید نظامی

لاہور، کراچی، راولپنڈی اور ملتان سے بیک وقت شائع ہوتا ہے

WEDNESDAY MARCH 2, 1988

جلد ۴۴ | بدھ ۱۲ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ ۲ مارچ ۱۹۸۸ء ۱۹ پھاگن ۲۰۴۴ب قیمت ۲ روپے ۵۰ پیسے | رجسٹرڈ نمبر آر-۲ | شمارہ ۲۲۹

علم کا رشتہ اللہ کے نام سے جوڑنے والی اکیڈمی

تحریر: جاوید علی

علم کا رشتہ اللہ کے نام سے جڑے تبھی انسان کا رشتہ دوسرے انسانوں اور خود اپنے نفس سے درست اور متوازن بنیادوں پر استوار ہو سکتا ہے۔ امام بخاری نے "الجامع الصحیح" کا آغاز اس بات سے کیا کہ وہ پہلی وحی کیا تھی جس نے آتے ہی اس بات کا حکم دیا کہ پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا اور جو علم کا سرچشمہ ہے۔ وحی کا آغاز اسی ہدایت اور تعلیم سے ہوا کہ علم کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے نام سے قائم ہونا چاہیئے یقیناً انسان کی زندگی اور علوم کے لئے اس سے بڑھ کر انقلاب انگیز بات کوئی دوسری نہیں ہو سکتی تھی نام کے لفظ سے غلط فہمی نہ ہو کہ صرف بسم اللہ پڑھنا مقصود ہے۔ نام تو علوم و مفاہیم کی دنیا میں بے پناہ معانی کا حامل لفظ ہے یہ تو اس ذات اور ان صفات کا قائم مقام ہے جو بیکراں ہیں۔

اگر علم کا رشتہ خالق کائنات کے نام سے کٹ جائے تو انسان کا رشتہ اپنے نفس سے، اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی دنیا سے اور سارے انسانوں سے کٹ جائے گا۔ یہ ازل سے چلنے والی علم حقیقی کی ساری بحثوں اور صراطِ مستقیم کے لئے حیاتِ انسانی کی ساری کاوشوں کا ایک سادہ اور مختصر مگر قاطع اور واضح جواب ہے۔ یہی وہ آبِ حیات ہے کہ جس کے لئے انسان نہ معلوم کن راہوں پر سرگرداں ہے صقارہ اکیڈمی میں دیگر علوم کے ساتھ ساتھ الٰہی علوم نبوت کی تعلیم و تدریس دی جاتی ہے کہ جن علوم نے انسانی زندگی کا اور انسان کے سارے عقلی و نقلی علوم کا رشتہ خالق کائنات کے نام سے جوڑا ہے۔

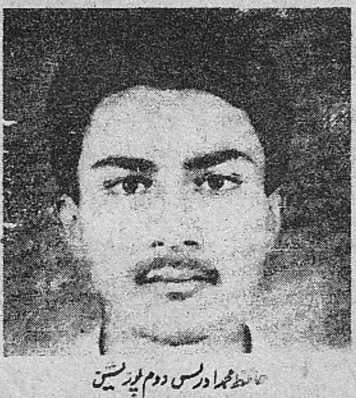

حافظ محمد ادریس دوم پوزیشن

اس دفعہ پنڈی بورڈ کے میٹرک آرٹس گروپ میں اول اور دوئم پوزیشنیں حاصل کرنے والے طالب علموں انور اقبال اور حافظ محمد ادریس کا تعلق بھی صقارہ اکیڈمی دار العرفان منارہ چکوال سے ہے جس کا افتتاح صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے کیا تھا صدر ضیاء کے ہاتھوں اکیڈمی کا افتتاح ایسا بابرکت ثابت ہوا کہ اکیڈمی کے میٹرک کے امتحان دینے والوں میں ۹۰ فیصد طالب علموں نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی اکیڈمی کی انتظامی کونسل کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین، چوہدری بشیر احمد، علی احمد اور ڈاکٹر محمد حامد پر مشتمل ہے جبکہ تعلیمی مجلس مشاورت میں پروفیسر منظور الحق صدیقی سابق وائس پرنسپل کیڈٹ کالج حسن ابدال مفتی سیاج الدین کاکاخیل مشیر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس اسلام آباد بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) گلزار احمد سابق ڈائریکٹر ادارہ قومی تعمیر نو راولپنڈی ڈاکٹر منیر الدین چغتائی، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ پنجاب یونیورسٹی، چوہدری مظفر حسین ڈائریکٹر آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور، پروفیسر محمود احمد غازی مدیر الدراسات الاسلامیہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد مولانا محمد امین مدرسہ حدیث پشاور پروفیسر حافظ عبد الرزاق مدیر المرشد پروفیسر سید محمد سلیم بانی پرنسپل شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ سندھ اور پروفیسر غازی احمد شامل ہیں اس اکیڈمی کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان ہیں جن کے ارشادات میں حکمت و معنی کا پورا دفتر سمٹا ہوا ہے جو حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے نامزد جانشین ہیں۔ جنہوں نے بیسویں صدی کے ہمہ گیر مادیت کے دور میں ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو جن کا رشتہ خالقِ حقیقی سے ٹوٹا ہوا تھا ان کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑا۔ ایک ربع صدی کی مسلسل جدوجہد کے بعد فروری ۱۹۸۴ء میں وفات پا گئے اُن کی وفات سے اب تک مولانا محمد اکرم نے ان کے عظیم مشن کو جاری رکھا ہوا ہے اور اس مقصد کے لئے اکیڈمی کی صورت میں پاکستان میں مدرسہ و خانقاہ کی زندگی میں ہمہ گیر تبدیلی کی طرف ایک نئی پیشقدمی کر رہے ہیں اور موجودہ طرز تعلیم سے ہٹ کر ایک نئے تعلیمی تجربے کی طرف پیش رفت جاری ہے۔

جو چاہو سو پوچھو

حق نواز

یہ معاشرہ جہاں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس میں مختلف قسم کے لوگ آباد ہیں۔ اور انہوں نے اپنی علیحدہ علیحدہ دنیا بسا رکھی ہے۔ کہیں لٹیروں کی دنیا آباد ہے تو کہیں نشہ بازوں کی، کہیں جوا بازوں کی تو کہیں جرائم پیشہ لوگ آباد ہیں۔ الغرض ان میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو انسانیت کی فلاح کے لیے ہمہ وقت اور ہر جگہ کوشاں رہتا ہے۔ ان کا فکر اور ان کی سوچ ہر لمحے یہی ہوتی ہے کہ کس طرح اس مخلوق کا تعلق ذات باری کے ساتھ پیدا ہو جائے اور یہ آخرت کی فلاح حاصل کر لے۔ جہاں بے شمار طبقے پھیلے ہوئے ہیں، وہاں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو درحقیقت لٹیرے ہیں لیکن انہوں نے بھیس فقیروں کا بدل رکھا ہے۔

یہ لوگ مختلف حیلوں، بہانوں سے اپنے آپ کو اونچے درجے کے بزرگ ثابت کر کے سادہ لوح لوگوں کے مال و دولت سے اپنے ہاتھ صاف کرتے رہتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ اور ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ کچھ عرصہ بیشتر مجھے چند ایسے ہی لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جس کی رُوداد قارئین تک پہنچا رہا ہوں۔ ؎

بخشے ہیں ایسے بھی لمحات نصیبوں نے میرے
اندھے رہبر بھی مجھے رستہ بتانے آئے

یہ چند سال پیشتر کا واقعہ ہے، کہ میرا پھوپھی زاد بھائی جس کی عمر تقریباً تیرہ، چودہ برس کی ہو گی، اچانک دوپہر کے وقت غائب ہو گیا۔ رات گئے تک واپس نہ آیا تو تشویش شروع ہو گئی۔ جگہ جگہ تلاش کیا۔ دوستوں کے پاس، عزیز و اقارب کے ہاں لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔ ۱۷ فروری کی یخ بستہ رات تھی، تمام رات سخت پریشانی رہی۔ صبح ہوئی تو رشتہ دار اور ہمسائے اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ مشوروں کی بھرمار شروع ہو گئی۔ کئی اس تشویش میں مبتلا تھے کہ کوئی آوارہ گرد اپنے دام میں پھنسا کر لے گیا ہو گا۔ کوئی لڑکے کی شرافت کی دلیلیں دے رہے تھے۔ کسی نے تھانے رپٹ درج کرانے کا مشورہ دیا۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ وقت ضائع نہ کرو اور جھنگ شہر میں فلاں فقیر کے پاس چلے جاؤ، وہ جاتے ہی بتا دے گا۔ کہ تمہاری کیا شئے گم ہو گئی ہے اور کہاں ہے۔ کئی لوگوں کو یہ مشورہ اچھا لگا۔ اور انہوں نے ہم تین آدمیوں کو اس مشن پر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ان میں میرے چچا جان گم شدہ لڑکے کے بڑے بھائی اور راقم شامل تھے۔ چنانچہ جب ہم جھنگ شہر میں اس فقیر کی تلاش میں پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ تو وہی فقیر ہیں جن سے کچھ عرصہ قبل بڑے بھائی ملاقات کر چکے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ ہمارے ہمسائے کی بکری چوری ہو گئی۔ لوگوں نے اس فقیر کی طرف مارک کیا تھا۔ جب وہ اس علاقے میں پہنچے تو ایک شخص نے اجنبی تاڑتے ہوئے آگے بڑھ کر پوچھا "بھائی صاحب آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ بھائی چونکہ مزاج کے خوش طبع ہیں۔ کہنے لگے! یار پانچ سات سال کا بچہ گم ہو گیا ہے۔ فیصل آباد سے آ رہے ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ یہ فقیر سب کچھ بتا دیتا ہے۔ چنانچہ ان حضرت سے اپنا مدعا بیان کر کے اس فقیر صاحب کی حویلی میں پہنچ گئے۔ دس پندرہ منٹ بعد موصوف ہمراہ ایک بہت بڑی توند کے ایک ہاتھ میں موٹا سا سوٹا اور سر پر ایک بہت بڑا پگڑ باندھے نمودار ہوئے۔ مونچھوں کو بڑے شاہانہ انداز میں تاؤ دیا۔ اور کتوں کی لڑائی کی باتیں شروع کر دیں۔ یہ ختم ہوئیں تو گھوڑوں کا ذکر لے بیٹھے پھر دفعتاً جیسے کوئی یاد آ گیا ہو۔ بڑی شان بے نیازی سے بھائی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "بھائی آپ فکر نہ کریں آپ کا بچہ دو چار روز میں گھر آ جائے گا" بھائی نے کہا جناب کونسا بچہ؟ کیسا بچہ؟ یہ سُن کر وہ بڑی حیرت سے گویا ہوئے "تو آپ کا بچہ نہیں گم ہوا" بھائی نے کہا جی نہیں جناب ہماری تو بکری گم ہو گئی ہے۔ ذرا شرما کر کہنے لگے یار یہ ستاروں کا حساب ہوتا ہے غلطی بھی لگ جایا کرتی ہے۔ دراصل انہوں نے علاقے میں اپنے کارندے چھوڑے ہوئے تھے جو اس تاڑ میں رہتے تھے کہ کون کیا پوچھنے آتا ہے؟ اور یہ سبھی کچھ پوچھ کر پیشگی فقیر صاحب کو اطلاع کر دیتے

تھے۔

اب ہم نے سوچا کہ کوئی اور فقیر تلاش کیا جائے۔ جھنگ میں ہمارے ایک دوست صابر علی صاحب رہتے تھے۔ ہم ان سے ملے تو وہ فرمانے لگے۔ یار میرا ایک ملنے والا ہے۔ اس کا پتہ کر لوں اگر وہ مل گیا تو سمجھ لو کہ تمہارا کام ہو گیا۔ یہ سُن کر ہم مسرور ہوئے چنانچہ صابر علی صاحب پتہ کرنے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد تشریف لائے اور ہمیں خوشخبری سنائی کہ شاہ صاحب تشریف فرما ہیں۔ جلدی چلو تاکہ وہ کہیں چلے نہ جائیں۔ خیر ہم ان کے ساتھ ہو لیے اور تھوڑی دیر بعد ہم جہاں پہنچے وہاں سرکل آفیسر کا بورڈ ہمارا استقبال کر رہا تھا۔ یہ انٹی کرپشن والوں کا دفتر تھا جہاں شاہ صاحب انسپکٹر تھے۔ ہم حیران ہوئے کہ یکایک تفتیش کا رُخ کدھر مڑ گیا۔ کہاں فقیری لائن اور کہاں سرکل آفیسر...... پھر دل کو سمجھایا کہ بھائی یہ تو خدا کی دین ہے کہ راتوں رات کسی کو بھنے کا پتّر بنا دے۔ فوراً ہمارے سامنے گرم گرم چائے اور شامی کباب سے بھری پلیٹ آ گئی۔ ہم شاہ جی کی مہمان نوازی پر عش عش کر اُٹھے۔ ان کے شیریں لہجے میں مکھن کے پیڑے جیسی نرم نرم ملائم باتیں مجھے آج تک یاد ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جب چائے اور کباب کا بل آیا تو انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور مجبوراً بل ہمیں ادا کرنا پڑا۔ باتوں باتوں میں شاہ صاحب نے دو چار جگہ بڑے کامیاب چھاپے مارنے کا ذکر کیا انہوں نے بتایا کہ وہ ایک گاؤں گئے تو وہاں گاؤں کی تمام بانجھ عورتیں اکٹھی ہو گئیں جس کی طرف اس فقیر نے نظر اُٹھائی ادھر سال کے سال آمد شروع ہو گئی۔ بالآخر ہم نے معذرت کے ساتھ شاہ صاحب کو اپنی آمد کی وجہ بتائی۔ ہم نے تمام صورت حال ان کو بتا دی کہ ہمارا لڑکا گم ہو گیا ہے۔ شاہ جی نے ایک سپاہی کو بھیجا کہ فلاں لڑکے کو بلا لاؤ۔ سپاہی ایک بارہ تیرہ سال کے لڑکے کو لے آیا۔ شاہ جی نے ایک گول شیشہ لڑکے کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور فرمانے لگے۔ اب یہ لڑکا اس شیشے میں ہر چیز آپ کو دیکھ کر بتا دے گا۔ اس دوران ایک اور آدمی بھی آن دھمکا جو کہ شاہ صاحب کا دیرینہ دوست معلوم ہوتا تھا۔ کہنے لگے شاہ جی! آپ نے آج تک میرے بھائی کا حال نہیں بتایا کہ وہ کس حال میں ہے؟ غالباً اس کا بھائی کافی عرصہ پہلے فوت ہو چکا تھا۔ شاہ صاحب نے دیکھا ہوا نہیں تھا۔ اب شاہ صاحب نے شیشہ لڑکے کو تھماتے ہوئے حکم دیا لے بیٹا تیار ہو جا۔ اور بیٹا بھی خاصا تربیت یافتہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ شیشے میں جھانکنے لگا۔ اب شاہ جی بولنے لگے "جھاڑو والے کو بلاؤ"

لڑکے نے جواب دیا "وہ آ گیا ہے"۔ بولے اب ماشکی کو بلاؤ۔ حکم سنتے ہی وہ بھی حاضر ہو گیا۔ اب حکم ہوا کہ بادشاہ کو بلاؤ۔ بادشاہ بھی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آن حاضر ہوا۔ شاہ جی کہنے لگے اسے میرا سلام کہہ دو۔

وہ بھی ہو گیا۔ پھر بولے شہنشاہ سے کہو ہمارا لڑکا گم ہو گیا ہے۔ وہ کہاں سے ملے گا؟ تو شہنشاہ کا جواب ملاحظہ ہو۔

"تمہارے لڑکے کو ایک بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی اغوا کر کے لے گیا ہے ابھی زیادہ دور نہیں گیا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے اسٹیشن کی پچھلی جانب، گلی میں ایک زرد رنگ کا مکان ہے اس میں تمہارا لڑکا قید ہے وہ آدمی اب اسے علاقہ غیر میں لے جانے والا ہے" ہم تو شیشے کے بادشاہ کی گفتگو سنی تو ہکا بکا رہ گئے۔ ان سے عرض کیا کہ ان شہنشاہ سے عرض کریں کہ اسٹیشن کے پچھلی طرف تو کوئی آبادی نہیں ہے۔ لیکن اس وقت تک ہماری قسمت کے فیصلے پر مہر ثبت ہو چکی تھی۔ میری پریشانی اُس وقت قدرے کم ہوئی جب بادشاہ نے دوسرے آدمی کے بھائی کا حال بتانا شروع کیا۔ ایک مرتبہ پھر جھاڑو والے اور ماشکی کو حاضر ہونے کی زحمت دی گئی۔ ان کی باتوں سے تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ بادشاہ سلامت کسی کچی آبادی میں کھلے آسمان تلے تخت بچھا کر بیٹھے ہیں کہ جن کو بلانے سے پہلے سپیشل جھاڑو دی جاتی ہے۔ اور پھر پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ خدا جانے ماشکی کہاں سے مشک بھر کے لاتا ہو گا بلکہ ہر وقت مشک بھرے کھڑا رہتا ہو گا کہ نجانے کس وقت سرکل آفیسر کا بلاوا آ جائے اور اس طرح جمعدار بھی کوئی جی دار لگتا تھا۔ جو ہر وقت جھاڑو کے ہمراہ تیار رہتا بڑے حوصلے کا مالک ہے۔ جسے ہفتہ بھر میں کوئی چھٹی نصیب نہیں ہوتی ہو گی۔ بادشاہ بھی کوئی نیک دل کہ شیشے کے اندر بھی اور باہر بھی خدمات انجام دے رہا تھا۔ خیر بادشاہ کو پھر بلایا گیا۔ جسے صرف وہ لڑکا ہی دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ نہ تو انسپکٹر صاحب کو نظر آتا تھا اور نہ ہی بقول ان کے ہمیں نظر آ سکتا تھا۔ شاہ صاحب بولے۔ بیٹا بادشاہ سے کہو کہ اس آدمی کے مردہ بھائی کو حاضر کیا جائے۔ فوراً مردے کو شیشے میں حاضر کر لیا گیا۔ نووارد نے کہا بیٹا ذرا یہ تو بتائیں کہ ہم دونوں میں سے کس کا قد لمبا ہے۔ لڑکا بولا؛ آپ تم دونوں مجھے شیشے میں نظر آ رہے ہو۔ اور تمہارا قد لمبا ہے۔ نووارد بولا یار میرا قد تو اس سے کم از کم پانچ انچ چھوٹا ہے۔ بہر حال تم اُن سے میرے متعلق پوچھو۔ کیا کہتا ہے

لڑکا بولا، وہ کہتا ہے کہ تم نے مجھے دنیا میں بہت بے عزت کیا تھا لہٰذا میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ نووارد نے کہا یار تم کس کے بھائی کو اُٹھا لائے ہو، حالانکہ ہماری محبت کے قصے تو چاپو انگ شہر میں مشہور ہیں۔ یہ سن کر انسپکٹر صاحب نے فوری تفتیش کا رُخ موڑنے کے لیے شیشہ لڑکے کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمانے لگے "یار! ایک دو فیصد تو غلطی لگ ہی جایا کرتی ہے"۔ اور ہمیں یہ حکم ملا کہ فوراً ٹوبہ ٹیک سنگھ جا کر زرد رنگ کے مکان کو تلاش کیا جائے۔ خیر ہم اُٹھے اور واپس گوجرہ کا رخ کیا۔ واپس پہنچے تو ہمارا انتظار ہو رہا تھا۔ ہم نے چند سیالوں کو اپنا قصہ سنایا اور عدمِ اطمینان کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ یار میری مانو تو جہاں میں کہتا ہوں، وہاں جاؤ۔ میں نے اسے بڑی دفعہ آزمایا ہے اس کا نشانہ سو فیصدی درست ہے۔ جو کہے گا۔ حرفِ آخر ہو گا۔ ایک دوسرے شخص نے بات کاٹتے ہوئے بڑے معتبرانہ انداز میں کہا برخوردار! "سو گز رسہ تے سرے تے گنڈ"، سمندری کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں ہمارے ایک آدمی کے ہاتھ بھی دیکھ لینا۔ چنانچہ لوگوں نے ہمیں ایک بار پھر تیسرے اور چوتھے محاذ کی طرف دھکیل دیا۔ کار ہمارے پاس تھی لہٰذا ہم جلد ہی مطلوبہ گاؤں میں پہنچ گئے۔ یہ گاؤں تاندلیانوالہ کے قریب واقع ہے۔ پہلے ہی آدمی سے پوچھنے پر حضرت صاحب کی حویلی تک پہنچ گئے۔ ابھی حویلی کی دہلیز پر ہی تھے کہ پانچ سات بڑے بڑے منہ والے کتوں نے ہمارا استقبال کیا۔ آگے بڑھے تو چار پانچ اعلیٰ قسم کے گھوڑے کھڑے نظر آئے۔ حالات بتا رہے تھے کہ فقیر صاحب بھی کوئی نسلی آدمی ہیں۔ آگے پہنچے تو میڈیکل کالج جیسا منظر نظر آیا مرید اور مریدنیاں اکٹھے چلتے پھرتے نظر آئے۔ صحن کے درمیان آگ کا الاؤ روشن تھا جس کے ارد گرد بڑی بڑی مونچھوں والے ہرکولیس جیسے پندرہ بیس آدمی بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک نے گردن گھمائی اور ہمیں پوچھا "کدھر آئے ہو"۔ ہم نے کہا جناب فقیر صاحب سے ملنا ہے ذرا کام تھا۔

دوسرا آدمی بولا کوئی قتل شتل ہو گیا ہے؟ ہم نے کہا جناب ہم کبھی مکھی نہیں مارتے قتل کیسے کر سکتے ہیں۔ ایک اور آدمی بولا "بھولے پنچھی لگدے نیں"، پھر وہ اپنی وارداتوں کے قصوں میں لگ گئے۔ خیر اندر جا کر کسی نے فقیر صاحب کو اطلاع دی۔ اور فقیر صاحب ہاتھ میں ایک بوسیدہ سی کتاب لیے تشریف لے آئے۔ جیسے وہ "ہجریت"

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

فرمایا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں ہے کہ بری مجلس سے تنہا رہنا بہتر ہے اگر کوئی نیک مجلس مل جائے تو پھر تنہائی میں نہ بیٹھو پھر اس کے ساتھ مل کر بیٹھو۔

کا نام دیتے تھے۔ پوچھنے پر ہم نے تمام مدعا بیان کر دیا کہ اس طرح آنا ہوا ہے پھر انہوں نے ہماری قسمت کا فیصلہ سنانے کے لیے اس کتاب کو کھولا۔ ہمارا ستارہ دیکھا اور فرمانے لگے کہ تمہارا لڑکا لاہور پہنچ گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ سانولے رنگ کی ایک لڑکی ہے جسے وہ بھگا کر اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ میں نے بے ساختہ یقین دلانا چاہا کہ جناب ہمارا لڑکا تو نہایت شریف ہے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ کہنے لگے "لگ جائے گا پتہ جدوں کڑی دا پیو آیا"، یہ بات انہوں نے کچھ اس انداز سے کہی جیسے لڑکا اُن کے سامنے لڑکی بھگا کر لے گیا ہو۔ میں نے پھر صفائی دینا چاہی تو انہوں نے کہا چلو تمہارے کہنے پر ایک مرتبہ پھر دیکھ لیتے ہیں۔ انہوں نے کتاب بند کر کے کھولی تو پھر وہ صفحہ سامنے تھا۔ شاید انہوں نے درمیان میں انگلی رکھی ہوئی تھی۔ اب تو فقیر صاحب کچھ گرم بھی ہونے لگے یہ فن ہمارے پاس صدیوں سے چلا آ رہا ہے ہم فقیروں کو غلطیاں نہیں لگ سکتیں۔ ہم نے عرض کیا جناب مہربانی فرمائیں اور ہمیں کوئی تعویذ وغیرہ دے دیں جس کے اثر سے ہمارا لڑکا گھر واپس آ جائے۔ کہنے لگے اس ستارے کی زد میں آ کر بھاگنے والا کبھی واپس نہیں آیا کرتا۔ ہم نے خوشامدانہ انداز میں کہا باواجی اب آپ کے دروازے پر جو آ گئے ہیں۔ لہٰذا کرم فرمائیے۔ اور ناممکن کو ممکن بنائیے۔ لیکن باواجی ٹس سے مس نہ ہوئے تھوڑے توقف کے بعد فرمانے لگے۔ اچھا تعویذ کئے دیتا ہوں۔ لڑکا ایک سال بعد گھر آ جائے گا۔ ہم نے کہا باواجی اتنا انتظار تو ہم سے نہ ہو سکے گا۔ کہنے لگے اچھا چلو چھ ماہ میں آ جائے گا۔ ہم نے عرض کیا کہ جناب ہم تو انتظار کر لیتے لیکن اتنا انتظار لڑکے کی والدہ سے نہ ہو سکے گا۔ بالآخر وقت کم کرواتے کرواتے ہم باواجی کو ایک ہفتے پر لے آئے۔ فرمانے لگے کہ اگر ایک ہفتے میں واپسی چاہتے ہو تو فلاں سورۃ نہار منہ پانچ ہزار مرتبہ اور

فلاں رات کو سونے سے پہلے دو ہزار مرتبہ پڑھیں اور یہ تعویذ جنگل میں کسی درخت کے شمال کی طرف باندھ دینا۔ دوسرا گھر میں گندم کی بوری کے نیچے رکھ دینا۔ اور تیسرا تعویذ دروازے میں لٹکا دینا۔ تمہارا لڑکا خود بخود لڑکی کو چھوڑ کر آ جائے گا۔ رات کے تقریباً نو بج رہے تھے۔ اور فقیر صاحب کی حویلی اب کسی کالج کے ہوسٹل کا منظر پیش کر رہی تھی۔ لہٰذا ہم نے چلنے میں ہی عافیت سمجھی۔ گاؤں سے باہر آ گئے۔ سوچا اب سمندری کے راستے واپس چلتے ہیں۔ لگے ہاتھ "سو گز کے رسے" والے کو بھی آزماتے چلیں۔ سمندری پہنچ کر گاؤں کا حدود اربعہ دریافت کیا اور گاؤں پہنچ گئے۔ ایک راہگیر لڑکے سے اس فقیر کا پتہ دریافت کیا تو وہ ہمارے ساتھ ہو لیا۔ اور ہمیں ایک ٹوٹے ہوئے مکان کے سامنے لے گیا۔ لڑکا اندر گیا اور فقیر صاحب کو بتایا کہ باہر تین آدمی آپ سے ملنے آئے ہیں انہوں نے لڑکے کو چابی دے کر بھیجا تاکہ گلی کے دوسرے کونے پر واقع مکان کا دروازہ کھول کر ہمیں بٹھائے۔ اس گاؤں میں بجلی نہ تھی اور کمرہ چراغ سے خالی تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو باہر ہی روک لیا۔ کیونکہ ایسے کھنڈرات میں اگر کوئی جھٹکا بھی لگے تو ۴۴۰ وولٹ سے کم نہیں ہوتا تقریباً پانچ منٹ بعد باباجی ہاتھ میں لالٹین لیے وارد ہو گئے۔ گلے میں منکے کے ہار انگلیوں میں دو درجن کے قریب انگوٹھیاں اور اور بازوؤں پر رنگ برنگے کپڑے باندھے، عمر تقریباً ستر بہتر کے پیٹے میں ہو گی۔ چنانچہ ہم ان کے پیچھے تلاش فرزند ارجمند میں اہم نیم تاریک کمرہ میں داخل ہو گئے۔ باباجی نے ایک پٹاری نما ڈبہ کھولا اور اس میں سے کوڑیاں اور بڑے بڑے کوڈے نکال کر ڈھیری کر دیئے۔ اب یہ کوڈے ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے والے تھے۔ پہلا مطالبہ مبلغ ۳۳ روپے کا ہوا جسے ہم نے فوراً پورا کر دیا۔ دوسرا مطالبہ یہ ہوا کہ ہم نے چوکی بھرنی ہے۔ لہٰذا ایمبیسی کے سگریٹ منگواؤ۔ اس وقت پتا چلا کہ ایمبیسی تو چھپی رستم ہے۔ جانے کیوں ظالم لوگ اس ڈبی پر مضر صحت لکھ دیتے ہیں۔ خیر یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا گیا۔ باباجی نے پانچ چھ سگریٹ اکٹھے سلگائے اور زور سے فضا میں دھوئیں کو دے مارا۔ یوں جیسا کالا انجن شنٹنگ کرتے وقت زور سے بھاپ نکالتا ہے۔ پھر جیسے باباجی سٹارٹ ہو گئے ہوں۔ ہُو...... اُو....... واہ کی آوازیں منہ سے نکالنے لگے۔

پھر بولے کیا زندہ روح گم ہو گئی ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں ہمارا لڑکا گم ہو گیا ہے۔ بلکہ اسے پوری تفصیل بتا دی۔ کہنے لگے وہ خود

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

فرمایا کہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ دوست اسے بنائیں اور اس کے نزدیک جائیں جو اچھے کاموں میں مددگار ہو اور جس سے اچھائی کے کوچہ میں نیک نامی ہو اور اگر ایسا دوست مل جائے تو اس کی جوتیوں کی خاک بن کر اس کی جوتیوں کا تسمہ بن جاؤ۔

نہیں بھاگا بلکہ بھگایا گیا ہے۔ لہٰذا اب اس کا آنا مشکل ہے۔ ہم نے کہا باباجی اسی لیے تو آپ کے پاس آئے ہیں۔ اب آپ ہی نے اسے لانا ہے۔ چنانچہ اس نے دوبارہ پیسوں کا مطالبہ کر دیا۔ تو ہم نے بیس روپے اسے اور ادا کر دیئے اس نے چند کاغذوں پر ٹیڑھی ترچھی لکیریں کھینچیں اور کہا یہ تعویذ لے جاؤ اور اس کی تاثیر دیکھو کیسے کھینچ کر لاتے ہیں۔ میں خود بھی آج کی رات چوکی بھروں گا۔ اس وقت ایمبیسی کا دھواں پوری طرح ہمارا محاصرہ کر چکا تھا۔ کمرہ دھوئیں سے بھر چکا تھا۔ اور بن پیئے ایمبیسی کا دھواں ہمارے پھیپھڑوں کا منہ چوم رہا تھا۔ دم گھٹنے لگا تو باہر نکلنے میں ہی عافیت سمجھی۔ باہر کی ہوا نے ہمارے ہوش ٹھکانے کئے تو گاڑی سٹارٹ کر کے چلنے لگے۔ اب چچا جان کہنے لگے کسی فقیر کے بیان آپس میں نہیں ملتے۔ اب رات تو خراب ہو ہی گئی ہے۔ چلو فیصل آباد چلتے ہیں، وہاں ایک بزرگ شخصیت رہتی ہے۔ میں خود تو وہاں کبھی نہیں گیا۔ البتہ ان کی شہرت بہت سن رکھی ہے۔ آدمی کا نام اور محلہ کا نام میں جانتا ہوں۔ ہم نے سوچا کہ سمندری سے فیصل آباد کا سفر کوئی زیادہ تو نہیں چلو ادھر بھی ہو چلتے ہیں۔ تاکہ کوئی ارمان ادھورا نہ رہ جائے۔ خیر ہم اس محلے میں پہنچ گئے۔ یہاں ہمیں گھر تلاش کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک صاحب برآمد ہوئے۔ عمر تقریباً چالیس، پینتالیس سال کے قریب ہو گی ہم نے اشارۃً کام عرض کیا تو انہوں نے بیٹھک کھول دی اور اندر سے "ہجریت" لینے چلے گئے۔ ہم نے اچانک چھت کی طرف دیکھا تو بے ساختہ میرے منہ سے "کلمہ شہادت" نکل گیا۔ کیونکہ چھت اتنی بوسیدہ تھی کہ ابھی گری کہ گری۔ میں تو دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر

بیٹھ گیا۔ کیونکہ سیانوں سے سن رکھا تھا کہ چھت گر پڑے تو دیوار کے ساتھ لگی ہوئی اکثر چیزیں بچ جایا کرتی ہیں۔ اب حضرت صاحب تشریف لائے تو ہم نے گم شدگی کا سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے اپنی بحریت کھولی۔ زمین کی طرف دیکھ کر آسمانی ستاروں کا حساب لگایا اور فرمایا۔ "تمہارا لڑکا کراچی پہنچ گیا ہے" جو جلدی واپس نہیں آسکتا۔ میں نے کہا حضرت صاحب دوبارہ پھر چیک کریں۔ انہوں نے پھر چیک کر کے فرمایا کہ وہ ابھی کراچی کی طرف جا رہا ہے۔ لیکن پہنچے گا کراچی ہی۔ میں نے پوچھا حضرت وہ لڑکا اکیلا ہی ہے یا اس کے ساتھ اور ساتھی بھی ہیں۔ انہوں نے دوبارہ پھر حساب لگایا تو چونک پڑے اور فرمانے لگے۔ یار تمہارا لڑکا تو ابھی گوجرہ میں ہی ہے۔ اور قریبی گاؤں میں اپنے دوست کے ہاں سو رہا ہے۔ لیکن صبح اٹھتے ہی کراچی روانہ ہو جائے گا۔ ان حضرت صاحب پر کراچی کا بھوت ایسے سوار تھا جیسے انہوں نے خود اس کی سیٹ بک کروا رکھی ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت! پھر کیوں نہ ہم علی الصبح اسٹیشن اور بس سٹینڈ پر اپنے آدمی بٹھا دیں اور گوجرہ کے راستوں کی ناکہ بندی کروا دیں۔ تاکہ وہ پکڑا جا سکے۔ فرمانے لگے کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن لڑکے کا ہاتھ آنا بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ خیر انہوں نے بھی کچھ تعویذ لکھ دیئے۔ جو ہم نے پہلے سٹاک شدہ تعویذوں میں ڈال دیئے۔ اب رات کا ایک بج رہا تھا ہم فیصل آباد سے گوجرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آنکھیں نیند کے خمار سے بوجھل تھیں خیالات کی بھرمار تھی۔ مثلاً سال بعد آئے گا۔ چھ ماہ بعد...... تین ماہ لگیں گے۔ علاقہ غیر کو کونسا راستہ جاتا ہے۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ کل آجائے گا۔ کس "کرڑی کا پیو"، گھر دھرنا مارے بیٹھا ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ خیر ہم بخیریت گھر پہنچے گھنٹی کو دبایا، اور گھر والوں نے دروازہ کھولتے ہی سب سے پہلے یہ خوشخبری دی کہ کوئٹہ کے قریب جو سوئی کا مقام ہے۔ وہاں سے لڑکے کے عزیزوں نے ٹیلیفون کیا ہے۔ کہ آپ کا لڑکا سیر و تفریح کی غرض سے گھر بتائے بغیر ہمارے ہاں پہنچ گیا ہے چونکہ اس کے پاس کپڑے وغیرہ بھی نہیں تھے لہذا اسے کل واپس گوجرہ بھیج دیا جائے گا فکر نہ کریں۔ اور اس طرح ہمیں ان مایہ ناز فقیروں کے ساتھ شرف ملاقات کا موقع نصیب ہوا۔ جن کے بقول لوگوں کی قسمت کے ستارے انہیں منٹ منٹ کی خبر دیتے رہتے ہیں۔ اب آپ خود اندازہ کر لیں کہ جو فقیر درجے میں ان لوگوں سے نیچے ہوں گے۔

ان کا کیا حال ہو گا؟؟؟

ع　لوں تو ہر شخص کو مخلص پایا
　　ویسے ہر ہاتھ میں پتھر دیکھا

قبل از اسلام عورت کو ایک گھریلو استعمال کی شئے سمجھا جاتا تھا اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور وہ مرنے والے کے مال کے ساتھ وراثت میں تقسیم ہوا کرتی تھی اور یورپ میں تو عورت کو انسان تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے جبکہ ہندوستان میں مرنے والے کے ساتھ بیوی کو زندہ جلا دیا جاتا۔ ۵۸۶ء میں بڑی رد و کد کے بعد فرانس میں یہ طے ہوا کہ عورت انسان تو ہے مگر یہ صرف مرد کی خادم ہے اور بس۔ تب یہ تھا اور اب یہ ہے کہ عورت کو مرد پر مسلط کرنے کے جتن ہو رہے ہیں اور مساوات کے نام پر عدم مساوات کے لئے تحریکیں چلائی جا رہی ہیں اور ایک بے لگام آزادی دیکر پورے معاشرے کو تباہی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے یہ صرف اسلام ہے جس نے عورت کی عظمت بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے تسلیم کروائی جہاں اس کے فرائض متعین فرمائے وہاں پہلے اس کے حقوق کی بات کی اور تعمیر معاشرے میں اس کا بھرپور کردار رکھا اسے وراثت میں حصہ دار قرار دیا۔ اسے اختیار بخشا کہ بالغ عورت کو کسی سے نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ منظور نہ کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا اسی طرح شوہر کی وفات یا طلاق دینے کی صورت میں وہ خود مختار ہے اس پر جبر کرنا درست نہیں نیز شوہر کے لئے عورت کو راضی رکھنا اور اس پر خرچ کرنا عبادت قرار دیا۔ اگر شوہر حقوق واجبہ ادا نہ کرے تو عورت کو حق دیا کہ اسلامی عدالت کے ذریعے سے ادائے حقوق پر ورنہ طلاق پر مجبور کرے۔

شیخ المکرم حضرت محمد اکرم

مسلمانوں کا سائنسی عروج و زوال

خداوندکریم نے اپنی مخلوق میں سے انسان کو حیوان ناطق پیدا فرمایا جہاں انسان کو قوت گویائی عنایت کی وہاں عقل و شعور کی نعمت سے سرفراز فرمایا، یہی ایک خصوصیت ہے جو دوسری کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اشرف المخلوقات گردانا جاتا ہے ورنہ ساری ہی مخلوق بلحاظ احتیاج یکساں ہے۔

قرآن حکیم جو کلام الٰہی اور سرچشمہ ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ نے کئی ایک مقامات پر عقل انسانی کو مخاطب کیا اور اسے استعمال میں لانے کا بھرپور احساس دلایا۔ سب سے پہلے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

"ہم نے قرآن اتارا عربی زبان میں تاکہ تم عقل سے کام لیکر اس کو سمجھو"

یہ عقل سے کام لینا اور اسے سمجھنا کیسی دعوت فکر دالی بات ہے۔

کہیں تو گوناگوں نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے آخر یہ فکر دامن گیر کرادیتا ہے کہ:

"بے شک یہ چیزیں نشانیاں ہیں عقل مندوں کیلئے" تاکہ کائنات کو مسخر کرنے کے لیے اس کی ہر چیز پر خوب تحقیق کی جائے انسان سائنسی ترقی کے کتنے کمال کو کیوں نہ پہنچ جائے۔ اس کا بذات خود دعویدار ہونا کج اندیشی ہے۔ حالانکہ سائنسی ترقی ایک فطری تقاضا ہے جو رب کریم کا فراہم کردہ ہے۔ سائنسی ایجاد کے لیے دو ہی بنیادی پہلو درکار ہوتے ہیں۔ ایک عقل و شعور دوسرا مادہ جو مطلوبہ مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ دونوں خداوند کریم کی خصوصی نعمتیں ہیں ان کا معرض وجود میں ہونا ایک عام بات ہے۔ لیکن ان کا اپنی بلحاظ خصوصیت کمال درجہ تک پہنچایا پہنچانا دوسری بات ہے۔ مثال کے طور پر سورج کی توانائی کو لیجیے، جس سے آج کل توانائی مرکوز کی جاتی ہے کیا ہزاروں سال قبل اس سورج میں یہ توانائی نہیں تھی؟ توانائی تو تھی لیکن عقل انسانی اس کی گرفت کے لیے پروان نہ چڑھ سکی۔ جو وسائل کو دستیاب کرسکے۔ اسی طرح مصنوعی بارش کا تماشہ دیکھیے، چند ایک گیسیں مل کر موجب بارش بن جاتی ہیں۔ یہ گیسیں تو زمانہ قدیم میں بھی موجود تھیں لیکن ان کو مسخر کرنا اور اپنے کام میں لانا نہیں آتا تھا۔ رفتہ رفتہ عقل انسانی ترقی کے مدارج طے کرتی رہی اور کائنات کی چیزوں پہ غور و فکر کر کے استعمال میں لاتی رہی۔ ورنہ کتنے انسان ہیں جو عقل کی دولت سے عاری اور کتنے اشیاء ہیں جن کی خصوصیات یوں ہی ضائع ہو جاتی ہیں۔ یہ صرف احساس حجت کے لیے ہوتا ہے۔ بہر حال غور و فکر ایک عمل ہے جسے قدرتی طور پر رہتی دنیا تک چلنا ہے اور یہ فکر انسانیت کی بھلائی کراتا ہے جو کہ عین عبادت ہے۔

اسلاف کی سائنسی ترقی

مسلم مفکروں نے قرآن مجید کی فراہم کردہ سائنسی اصولوں کے تحت اپنے عقل و شعور کو کام میں لاکر سائنس کے میدان میں خداداد صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس طرح وہ عظیم سائنسدان کہلائے۔ انہوں نے کاغذ سازی سے لیکر ہوائی جہاز تک کی ایجادات میں اپنا رول ادا کیا۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ کاغذ سازی

کاغذ سازی کا باقاعدہ پہلا کارخانہ ۷۹۴ء میں بغداد میں قائم ہوا۔ دوسرے کارخانے دمشق، مصر، نیشاپور، شیراز، خراسان، مراکش، غرناطہ، قرطبہ اور سسلی میں قائم کئے گئے۔ جن کا کاغذ دنیا بھر میں معیاری سمجھا اور استعمال کیا جاتا تھا۔ کاغذ پر پہلی لکھی جانے والی تحریر ۱۰۰۹ء میں عربوں سے خریدے گئے کاغذ پر لکھی گئی۔

قطب نما

یہ عربوں کی ایجاد ہے۔ قطب نما قرون اولیٰ کے تمام تجارتی جہازوں میں لگا ہوتا تھا۔ جن کے ذریعے جہاز جدہ سے چین تک کا سفر کرتے تھے۔ جب یہ چیزیں یورپ پہنچیں تو کولمبس بحر اوقیانوس کو چیرتا ہوا امریکہ جا پہنچا اور واسکوڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔

اسلحہ سازی

مسلمان صدیوں سے بارود استعمال کرتے چلے آرہے تھے۔ سسلی اور سپین کے کارخانوں میں دیگر اسلحہ جنگ کے علاوہ ایک مسالہ نرنلوں میں بھرا جاتا تھا۔ جنہیں مشینوں کے ذریعے دشمن پر پھینکا جا سکتا تھا۔ اسطرح توپ کو پہلے افریقہ کے سردار یعقوب نے ۱۲۰۵ء میں استعمال کیا۔

کلاک اور گھڑیاں

ہارون الرشید نے شارلیمان کو جو تحائف ۸۰۷ء میں روانہ کئے ان میں ایک ایسی گھڑی بھی جس میں شمس و قمر حرکت کرتے نظر آتے تھے اور طلوع و غروب کا دلکش نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ ہر گھنٹہ پر ٹن ٹن کی آواز سنائی دیتی تھی۔

علم طب، کیمیا و دیگر سائنسی علوم

میڈیکل سائنس میں بھی مسلمانوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ۱۷۲۱ء میں لیڈی ورٹل مارٹنگ نے قسطنطنیہ جا کر چیچک کا ٹیکہ مسلمانوں سے سیکھا۔ ابن الہیثم جو بصرہ کا رہنے والا تھا۔ سائنس پر دو سو کتابیں لکھیں اور بطلیموس اور اقلیدس کے نظریہ ربوبیت کی تردید کی۔ اس طرح علم طبعیات (فزکس) میں بلند مقام پایا۔

میڈیکل فن کے موجد محمد بن ذکریا رازی ہیں۔ آپ دو سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ آپ نے چیچک اور خسرے اور زمین کی ساخت پر کافی تحقیق کی ہے۔ ابن سینا نے ۱۱۵ کتابیں لکھ کر گرانقدر سائنسی خدمت کی۔ جن میں سے القانون خاصی مشہور ہوئی اور طب کی بائیبل کہلائی۔

ابن رشد نے فلسفہ، ابن البیطار نے علم نباتات، ابوالقاسم نے علم جراحی، ابن العوام نے علم زراعت اور ابن الخطیب نے علم تاریخ سے انسانیت کو روشناس کرایا۔

الغرض مسلمان سائنسدانوں کی تاریخ لکھی جائے تو صرف ناموں کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔ جنہوں نے بیشمار کتابیں لکھ کر سائنس کے ہر فیلڈ میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ یہ

دین اور مجبوری

یہ بھی ایک شرط ہے آپ آئندہ تجربہ کریں اور نوٹ کر کے دیکھیں جب کبھی آپ دین کے کام کے لیے نکلیں گے کوئی نہ کوئی مجبوری ضرور آڑے آئے گی، یہ اس لیے نہیں ہوتی کہ آپ کو روک دیا جائے۔ اس لیے ہوتی ہے کہ آپ اس سے پھلانگ جائیں تاکہ اللہ آپ پر اپنی رحمت اور بخشش عطا کر دے تو اسے عبور کرنا چاہیئے۔ اس سے نکل جانا چاہئے اس کو پس پشت ڈال دینا چاہیئے یہ نہیں کہ اس کو پکڑ کر بیٹھ گیا تو بجائے عطا کے محرومی لے کر بیٹھا جو سبب بخشش کا تھا جو سبب کچھ پانے کا تھا اسی کو محرومی کا سبب بنا لیا۔

(مولانا محمد اکرم مدظلہ)

تو تھے اسلاف جنہوں نے قرآنی تعلیم کو مرکزی اصول مانتے ہوئے دیگر علوم سے استفادہ کیا۔ اب بھی موجودہ دور کی سائنس کے کسی شعبہ کو لیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں بھی مسلمانوں کا کردار خاصا نمایاں ہے۔ لیکن صورت حال آٹے میں نمک کے مترادف ہے۔ جو ترقی یافتہ ممالک میں آئے دن سائنسی موشگافیوں سے انسانیت کو بہرہ ور کر رہے ہیں۔ انہیں by name مسلم تو کہا جا سکتا ہے لیکن ان کے طور اطوار میں اپنے اسلاف سائنسدانوں کی بو تک نہیں۔ حالانکہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں، اور برملا کہتے ہیں کہ جہاں غیروں کو کسی نئی سے نئی ایجاد کی طرف جانے کے لیے ہفتے چاہئیں وہاں مسلمانوں کو صرف دن درکار ہیں۔ لیکن افسوس یہ لمحہ فکریہ کے سوا کچھ نہیں کہ آخر ایسا کیوں ہے؟

موازنہ (صورت دیگراں)

آج کی سائنس ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے۔ اور للچائی نظروں سے دیکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان کی بازار کی پستی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ دراصل یورپ نے عرب اور اندلس

کے مسلم سائنسدانوں سے علم حاصل کیا۔

> اگر مسلمانوں کے ذریعے یہ دولت نصیب نہ ہوتی تو اب تک یورپ کی حالت وہی ہوتی جو افریقہ کے وحشی اقوام کی ہے۔

رابرٹ بریفالٹ کہتا ہے کہ "اگر عرب نہ ہوتے تو عصر حاضر کی تہذیب جنم نہ لیتی"۔

معیار تعلیم

آج ترقی یافتہ ممالک میں بھی سو فیصدی باشندے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے لیکن آج سے ہزار سال قبل اسلامی اندلس کے کل باشندے زیور تعلیم سے آراستہ تھے۔ اس لیے تو آرنلڈ لکھتا ہے کہ عربی کتابوں کے سینکڑوں تراجم یورپ کی بنجر زمین پر بارش بن کر برسے۔ باقی ماندہ آبادی تو کیا پادری تک، دستخط کرنے سے ناواقف تھے۔

> پادری دستخط کی بجائے شراب میں انگلی ڈبو کر کاغذ پر دھبے لگایا کرتے تھے۔

ملکہ ازابیلہ کا کتب خانہ قابل فخر تھا۔ لیکن اس سے ساڑھے چار سو سال قبل الحکم کا کتب خانہ چار لاکھ کتابوں پر مشتمل تھا۔ جن میں سے اکثر کتابوں کا وہ مطالعہ کر چکا تھا۔

عبدالرحمن الداخلی نے دوسری صدی میں قرطبہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ ہشام اور حکم نے اس کو عروج بخشا۔ ان میں دینی علوم کے علاوہ طب، جراحت، سائنس، ادویہ سازی، نجوم ہیئت، جغرافیہ اور حساب ہندسہ کا درس اس یونیورسٹی میں ہوتا تھا۔ قرطبہ میں تعلیم پانے والوں کی تعداد گیارہ ہزار تھی۔ ابتدائی تعلیم کا انتظام ہر گاؤں کی متصل مسجد مدرسہ میں ہوتا تھا۔ اس طرح کی یونیورسٹیاں طلیطلہ، غرناطہ اور اشبیلیہ میں بھی تھیں۔

بود و باش

اسلامی ممالک میں جس وقت سائنس کے چراغ روشن تھے، شاندار عمارتیں صاف اور پختہ سڑکیں بن گئیں تھیں۔ اسپین، مصر، بغداد اور شام میں ایسی عمارتیں تیار ہو چکی تھیں، جن کی نظیر نہیں مل سکتی تھی۔ اس وقت یورپ کا بیشتر حصہ لق و دق صحرا یا بے راہ جنگل تھا۔ جا بجا دلدل اور مغلظ چیزوں کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔

> لندن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے جن کی چھتیں گھاس کی تھیں۔

امراء بھینس کے سینگ میں شراب پیتے تھے۔ سالہا سال تک کپڑے نہیں دھوتے تھے۔ نہانا اتنا گناہ سمجھا جاتا تھا کہ

> فریڈرک ثانی پر کفر کا فتویٰ لگا کہ وہ مسلمانوں کی طرح ہر روز غسل کرتا ہے۔

یہ بات اٹل ہے کہ اگر مسلمان سپین اور سسلی نہ جاتے تو یورپ بربریت، ہلاکت، جہالت، غنڈہ گردی اور بد اخلاقی سے کبھی نہ نکل پاتا۔ مسلمانوں کے بے بہا احسانات ہیں، جن کی بدولت یورپ کا باسی اپنے آپ کو انسان کہلا سکتا ہے۔ لیکن اب مسلمان کچھ یوں ہیں

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے وہ ایک جلوۂ سحر کے لیے

سائنسی تنزلی کے اسباب

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر یورپ مسلمانوں کا احسان مند ہوتا تو ساری دنیا ایک نعمت کدہ کا روپ دھار چکی ہوتی۔ حالانکہ مسلم سائنسدانوں نے کبھی بخل سے کام نہ لیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ سائنسی ترقی میں انسانیت کی بھلائی مضمر ہے۔ اور بھلائی کرنا مسلمان کا شیوا ہوا کرتا ہے۔ لیکن جب یورپ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تو اس کی اسلام دشمنی نے کئی کروٹیں بدلیں۔

علم دشمنی

سپین کی اسلامی حکومت کا ۱۴۹۲ء میں خاتمہ کر دیا گیا۔ عیسائی بادشاہ نے لاکھوں افراد کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا۔ سینکڑوں لائبریریاں جلا کر راکھ کر دیں۔ اس طرح مسلمانوں پر ظلم کا بازار گرم رکھا یہاں تک کہ ۱۶۳۰ء تک ایک بھی مسلمان سپین میں نہ رہا۔ اس سے قبل چوتھی صلیبی جنگ میں صلیبی لشکر نے قسطنطنیہ اور طرابلس کی لاکھوں کتابیں جلا دیں اور مسلمانوں کی چھ سو سالہ محنت شاقہ پر پانی پھیر دیا۔ باقی رہی سہی کسر تاتاریوں نے پوری کر دی۔ انہوں نے بغداد، کوفہ، بصرہ، مصر، دمشق، نیشاپور، خراسان، خوارزم اور شیراز کے سینکڑوں کتب خانے جلا کر راکھ کر دیئے۔ اس کے بعد اگر کسی نے اسلامی سائنسی علوم سے استفادہ کرنے کی کوشش کی تو عبرتناک سزاؤں سے ذلیل و خوار کیا۔

تعصب و خیانت

تاریخ شاہد ہے کہ یورپ نے ہزار سال مسلمانوں سے درس ... ابن سینا، محمد بن زکریا رازی کی ... الحکم حاصل

انتساب تھیں لیکن بوجہ تعصب یورپی ہمیشہ اس احسان عظیم کو چھپاتے رہے۔ حد تو یہ ہے مسلم ایجادات کو یورپی ناموں سے متعارف کراتے رہے۔ جابر بن حیان جسے بانی علم کیمیا کہا جاتا ہے۔ اس کی کتاب الکیمیا کا لاطینی میں ترجمہ کر کے اپنی تصنیف ظاہر کی اور جابر کو جیبر کے لفظ سے لکھا جانے لگا۔

اس طرح ایک افریقی مسیحی نے ابن الجزار کی کتاب زاد المسافرین کا لاطینی ترجمہ کر کے اپنے نام سے منسوب کر لی۔ موسیو لیبان تعصب کی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے

> "ہمیں اسلام اور پیروانِ اسلام سے تعصب وراثت میں ملا ہے"

مذہب و سائنس دو متضاد محرک

عیسائی مذہب دین و دنیا کے امور کو دو متضاد محرک ٹھہراتا ہے۔ اور یہ عقیدہ راسخ کہلایا کہ "جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو"۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں امیری

مسیحیت نے "جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو" کیا دینا تھا؟ بلکہ یکطرفہ فکر کو سائنسی ترقی پر لگائے رکھا۔ جب عیسائیت نے سائنسی علوم کو مذہب سے جدا قرار دیا تو الحادی سائنس وجود میں آئی۔ اس نے مفید مصنوعات کے ساتھ مہلک اور تباہ کن اسلحہ، اخلاق حمیدہ کی منافع پرستی۔ صداقت کی جگہ نفاق جھوٹ مکر و فریب، دغا بازی، دھوکہ دہی۔ عدل کی جگہ ظلم اور خونریزی جیسی تباہ کاریوں کو دوام بخشا۔ اس طرح من مانی خواہشات کو اخلاقیات سے تعبیر کیا۔

اس دو رنگی پالیسی کا اثر مسلمانوں نے بھی لیا۔ عقیدتاً دینی، دنیوی عوامل تو یک قالب میں رہے لیکن عملی طور پر اتنے پیچھے چلے گئے کہ ایک ایسی خلیج واقع ہو گئی جس کا عبور کرنا عام آدمی کے بس میں نہ رہا۔ اور پھر ایک دھڑے کا انسان ہو کر رہ گیا۔

سائنسی ترقی ایک فطری تقاضا

اسلام دین فطرت ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا۔ اسلام کے قوانین انسانی فطرت کے عین مطابقت ہیں۔ دین و دنیا کی تفریق انسانیت کو گمراہی اور پستی کی طرف لے جاتی ہے۔ پھر یکطرفہ علم جیسا کہ ارشاد قرآن ہے۔ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ کہ علم الیوں کے لیے بجائے معرفت الٰہی کے گمراہی کا سامان مہیا کرتا ہے اب بھی وقت ہے کہ مسلمان سنبھل کر اپنی میراث گم گشتہ کو پالیں جبکہ تلاش راہ کے لیے تو چین تک جانے کا حکم ہے۔ مسلمان رہتے ہوئے اس سائنسی علوم کو دینی علوم سے منطبق کرنا ہوگا۔ اگر سائنسی ترقی کی خاطر مسلمانی کھو دی تو کیا پایا۔ حکمت کا تقاضا تو یہ ہے۔

> موجودہ سائنسی علوم اور ایجادات کو فتویٰ کی زد میں لانے کی بجائے مفید استعمال کیلئے مواد اور وسائل پیدا کر کے دکھائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ یورپ نے سائنسی ترقی میں منفی پہلو کو زیادہ مقام دیا۔ اور اب اپنے آپ کو خوب آزما لیا ہے ان کی تہذیب اب دم توڑ رہی ہے۔ مذہب سے بیگانہ جو معاشرہ تیار کیا۔ ایک بے جان لاش ہو کے رہ گیا ہے اس لیے تو مارشل بٹیاں نے کہا تھا۔

ہماری تنزلی (اخلاقی پستی) کے اسباب تین ہیں۔ ڈرنک، ڈانس اور ڈنر۔ مسلمانوں کو ان خرافات سے بچ بچا کر اپنے ورثے کو سنبھالنا ہوگا۔ تب انسان معرفتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ مطالعۂ کائنات کا حق ادا کر سکے گا۔ جس سے دنیوی فوائد اور یادِ الٰہی دونوں دستیاب ہوں گے۔ اس طرح روح کی پاکیزگی اور اپنے خالق سے ربط پیدا ہوگا۔ جو مقصد حیات کا متقاضی ہے۔ خدا کرے سائنسی علوم ایمانی سانچے میں ڈھل کر کارآمد ثابت ہو تاکہ

سائنس ایمان خیز ہو نہ کہ الحاد انگیز

سائنس کے ذریعے جسم و روح دونوں کی ترقی کا سامان مہیا کیا جا سکتا ہے۔ صرف مادی اور جسمانی فوائد سے عالمی خوشحالی پیدا نہیں ہو سکتی۔

حضرت حسن بصریؒ

ڈاکٹر محمد دین

آپ تابعین میں سے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے تیسرے شیخ ہیں اہل زمانہ کے امام۔ بڑے مستجاب الدعوات۔ صاحب کرامات و عالی مقام۔ ظاہری و باطنی علم میں یگانہ روزگار۔ آپ نے تقریباً ایک سو بیس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھا ہے جن میں ستر اصحاب بدر تھے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ آپ کو بہت اچھا جانتی تھیں آپ کا نام حسن اور کنیت ابو محمد، ابو سعید اور ابی البصری ہے۔ حضرت فاروقؓ کے زمانہ خلافت ۲۱ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام موسیٰ راعی تھا جو بصرہ اور واسطہ کے درمیان میلسان نام ایک جگہ کے رہنے والے تھے اور حضرت زید بن ثابتؓ صحابی کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے ۱۲ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا آپ کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں جب آپ پیدا ہوئے تو حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں لائے گئے بڑے خوش رو اور خوبصورت تھے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں دیکھ کر فرمایا "اس کا نام حسن رکھو کیونکہ اس کا چہرہ حسین ہے۔

ابتدا میں آپ جواہرات کے بیوپاری تھے اور اس پیشہ سے بہت رقم کمائی لیکن جب عشق الٰہی کا غلبہ ہوا تو آپ نے سارا مال و اسباب راہ خدا میں لٹا دیا اور کنارہ کش ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت اور مجاہدہ میں مشغول ہوئے دن رات یاد الٰہی میں مصروف رہتے سنت نبویؐ کے سخت پابند تھے۔ خوف الٰہی سے ہر وقت روتے رہتے تھے آپ کی آنکھیں کبھی خشک نہیں دیکھی گئیں اور کثرت گریہ کے باعث آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے تھے۔ نظر کمزور پڑ گئی تھی بدن اتنا لاغر کہ صرف ہڈیاں نظر آتی تھیں مزاج میں انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ حضرت علیؓ جب بصرہ تشریف لائے تو تمام واعظین کو منع کر دیا لیکن آپ کا منبر باقی رہنے دیا۔ حضرت حسن بصریؒ حضرت علیؓ کی صحبت میں کافی عرصہ رہے اور علوم ظاہر و باطنی سیکھے۔ علم معاملات میں آپ کے لطیف اشارات ہیں۔ ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا صبر کی حقیقت کیا ہے تو جواباً فرمایا صبر دو قسم کا ہے اول مصیبتوں اور تکلیفوں میں صبر کرنا۔ دوم ان امور سے باز رہنے پر صبر کرنا جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں باز رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کی متابعت سے منع فرمایا ہے۔ اعرابی نے کہا میں نے آپ سے بڑا زاہد کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت بصریؒ نے فرمایا میرا زہد جنت کی رغبت و لالچ ہے اور میرا صبر فرمانبرداری دوزخ کے ڈر کی وجہ سے ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا جنت کی لالچ اور دوزخ کے ڈر کی بجائے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہو۔

آپ کا قول ہے کہ "شریر لوگوں کی صحبت نیک لوگوں کے ساتھ بدظنی پیدا کر دیتی ہے"۔ یہ بات آجکل کے دور میں پہلے سے بھی زیادہ ٹھیک ہے کیونکہ لوگ نام نہاد صوفیوں سے ملتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کے افعال سے خیانت، ان کی زبانوں سے غیبت اور جھوٹ، ان کے کان فضول اور بیہودہ باتیں سننے کے عادی، آنکھیں شہوت کا اشتہار، ارادے ہر وقت حرام اور مشتبہ مال کھانے اور ایذا مسلم کے لیے مستعد ہیں تو وہ خیال کرتے ہیں کہ تمام صوفی اسی طرح ہوتے ہیں حالانکہ اصلی صوفیاء کرام اولیاء الٰہی اور سینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ ان کا فعل سراسر فرمانبرداری حق، ان کی زبانوں پر ہر وقت کلام حق اور محبت الٰہی کا غلبہ ہے ان کا بھید (مشاہدات لطائف، مراقبات وغیرہ) محبت الٰہی کا محل اور ان کی آنکھ مشاہدہ حق میں غرق یہ سب اسرار الٰہی ہیں اور صوفیاء کرام کے منکر

سب سے زیادہ رذیل اور شریر لوگ ہیں آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے معرفتیں اٹھ گئیں۔ برائیاں رہ گئیں اور مسلمان جو باقی رہ گیا وہ مغموم اور متفکر ہے۔ پھر فرمایا عاجزی کرنے والے کی شان یہ ہے کہ گھر سے باہر آئے تو جس کسی پر اس کی نظر پڑے اپنے سے بہتر جانے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کو ایک دفعہ نصیحت فرمائی کہ تین کام کبھی نہ کرنا اگرچہ تو میزان حق کا درجہ رکھتا ہو۔ کیونکہ یہ آفت سے خالی نہیں۔ بالآخر زخم لگاتے ہیں (۱) بادشاہوں کے پاس نہ جانا اگرچہ وہ شفقت کریں (۲) کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ بیٹھنا اگرچہ وہ رابعہ وقت ہو اور تو اس کو قرآن پاک کی تعلیم دیتا ہو (۳) اور مزامیر (گانے بجانے والے آلات) نہ سننا۔

ایک دفعہ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی مانند ہو لیکن صرف شکل میں اگر وہ تمہارے حال کو جان لیں تو تم میں سے ایک کو بھی مسلمان نہ سمجھیں۔ ایک مجلس میں فرمایا فقیہہ وہ ہے جو دنیا سے پرہیز کرے اپنے گناہوں کو دیکھے اور اپنے رب کی عبادت کا پورا پابند ہو اور جس نے دولت کی عزت کی خدا اسے ذلت دے گا۔ پھر فرمایا دنیا تمہاری سواری ہے اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو تمہیں منزل پہ لے جائے گی اور اگر وہ تم پہ سوار ہو گئی تو تمہیں ہلاک کر کے چھوڑے گی۔ پھر فرمایا معرفت یہ ہے کہ آدمی اپنے میں ذرہ بھر خصومت نہ پائے۔

پھر فرمایا جو بات حکمت نہیں وہ آفت ہے اور فکر کے بغیر خاموشی، شہوت و غفلت ہے جو دیکھنا عبرت سے خالی ہو وہ بے ہودہ اور ذلت ہے۔ اہل عقل کو خاموشی اختیار کرنی چاہیئے تاکہ ان کے دل گویا ہو سکیں ظاہر و باطن کا ایک دوسرے کے برعکس ہونا نفاق ہے اور مومن وہ ہے جس کا ظاہر و باطن ہر حال میں یکساں ہو۔

ایک دفعہ فرمایا کہ تم اگر کسی سے دشمنی کرنا چاہو اور وہ خدا کا فرمانبردار بندہ ہے تو دستبردار ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے تمہارے حوالے نہیں کرے گا اور اگر وہ خدا کا نافرمان بندہ ہے تو تمہارا مطلب خود نکل آئے گا کہ اللہ اسے خود ذلیل کرے گا تم اپنے دل کو اس کے سپرد کر دو ہر مسلمان تجھ سے محفوظ رہے گا۔

پرسش

۔۔۔ عورت کے ساتھ چار مرد دوزخ ۔۔۔

۔۔۔ کے سب سے پہلے باپ سے پرسش ہوگی کہ تیرے گھر میں پلی تھی تو نے اسے دین سکھایا۔ پھر خاوند سے پوچھ ہوگی کہ تیرے گھر میں اس نے عمر بسر کی تو نے اسے دین سکھایا؟ پھر اولاد کی باری آجائے گی کہ جب تیری ماں تھی تو نے اسے اللہ کی طرف متوجہ کیا اگر نہیں کیا تو چاروں اس کے ساتھ جاؤ۔

(مولانا محمد اکرم مدظلہ)

پھر فرمایا عقلمند وہ ہے جو آخرت بنائے جو بات اسی ۔۔۔ ہو لازم ہے کہ پہلے خود کہے۔ میرے نزدیک دین کے بھائی بیوی اور بچوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ اس لیے کہ وہ دین کے دوست ہیں اور بیوی بچے دنیا کے دوست اور دین کے دشمن فرمایا جو کچھ اپنی ذات اور اپنے ماں باپ کے کھانے کپڑے پر خرچ کیا ہے اس کا حساب دینا ہوگا مگر مہمان اور دوست کے کھانے کا حساب نہ ہوگا۔

فرمایا خشوع یہ ہے کہ خدا کا خوف ہر وقت دل میں رہے اور ایک لمحہ بھی اس سے غافل نہ ہو۔

ایک مرتبہ لوگوں نے کہا ہمارے دل سوئے ہوئے ہیں آپ کا کلام ہمارے دل پر اثر نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا میں کیا کروں تمہارے دل مردہ ہیں۔ سوئے ہوئے کو ہلانے سے جگایا جا سکتا ہے مگر مردہ کو کیسے جگایا جائے۔

آپ قبرستان سے گزر رہے تھے کچھ لوگ ساتھ تھے آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اس قبرستان میں ایسے لوگ بھی دفن ہیں جنہوں نے آٹھ بہشتوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی مگر پھر بھی اس قدر حسرت دل میں لے گئے کہ اگر اس کا ایک ذرہ اہل زمین پر پیش کیا جائے تو وہ خوف کے مارے غرق ہو جائیں۔

آپ وعظ فرما رہے تھے کہ حجاج بن یوسف لشکر سمیت

نکلی تھا ایسے ہے کہ آپ کی مجلس میں آگیا۔ حاضرین مجلس نے ا.ا.ا ج حسن کے امتحان کا دن ہے۔ حجاج مجلس میں آکر ایک جگہ خاموش بیٹھ گیا۔ حضرت حسنؒ نے اس کی طرف ذرا التفات نہ کیا تب وہ بولا حسن واقعی حسن ہے۔ خاتمہ مجلس پر حجاج نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا جس نے مرد حق کو دیکھنا ہو حسن کو دیکھے۔

روایت ہے ایک غریب اور مفلس شخص کا گھوڑا بیمار ہو گیا اس نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے عرض کیا آپ نے قیمت دریافت کی اور چار سو دینار میں اسے خرید لیا۔ رات کو اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس کا گھوڑا دوسرے گھوڑوں کے ساتھ بہشت کی چراگاہ میں چر رہا ہے اس نے پوچھا یہ کس کے گھوڑے ہیں۔ بتایا گیا یہ تیرے تھے مگر اب ان کا مالک حسن بصریؒ ہے۔ خواب سے بیداری پر وہ شخص حضرت حسنؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میں کل والا سودا منسوخ کرتا ہوں آپ نے فرمایا تیرے خواب سے پہلے خدا نے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا ہے۔ دوسری رات خواجہ حسن بصریؒ نے خواب میں ایک عالی شان محل دیکھا پوچھا کس کا ہے جواب ملا جو سودا منسوخ کرے یہ اس کا محل ہے۔ بیدار ہونے پر آپ نے اس آدمی کو بلوایا اور سودا منسوخ کر دیا۔

آپ نے ایک شخص کو قبرستان میں روٹی کھاتے دیکھا فرمایا یہ منافق ہے۔ پوچھا گیا کیسے؟ فرمایا جسے مردوں کے سامنے خواہش پیدا ہو وہ قیامت اور موت کا معتقد نہیں اور یہی منافق کی نشانی ہے۔ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی نے حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں کہا ہے "وہ خوف کے حلیف تھے حزن والم کو دوست رکھتے تھے۔ راتوں کو جاگتے تھے اور عبادت کرتے تھے اور دن ریاضت اور مجاہدہ میں صرف کرتے وہ فقیہہ بھی تھے زاہد بھی، عابد بھی تھے اور دنیا سے بیزار بھی۔ دنیا ان کے نزدیک مکھی کے پَر برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ نفس کی خواہشات سے بغاوت کے خوگر تھے۔ وہ نفس کی نشاؤں سے نخوت کے ساتھ پیش آتے۔ حزن والم سے ان کی آنکھیں ہر وقت پر نم رہتیں۔ ان کا دل ہر وقت اشکبار رہتا ان کا خیال تھا کہ عمل صالح کی تربیت نشوونما اور تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ہنسے کم اور روئے زیادہ۔ دنیا

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

مشاہدات کے سلسلے میں ارشاد فرمایا: کہ جس قدر بھی کرامات ہیں یا خرق عادات ہیں یہ عمل صالح کا ثمرہ اور پھل ہوتے ہیں، صوفی صالح بھی ہو، ساتھ مجاہدہ اور ریاضت بھی ہو صوفیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جسے کچھ نظر نہ آئے، دنیا میں محنت کی مزدوری مل گئی، ثمرہ مل گیا تو میدان قیامت کے لیے کچھ باقی نہ رہا اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے جس شخص سے کوئی چیز صادر نہیں ہوئی اس کی ساری کی ساری مزدوری خواہ بینک میں جمع کرا دے یا مالک کے پاس جمع رہنے دے ضرورت کے وقت استعمال ہو سکتی ہے۔

کی الجھنوں سے دامن بچائے اور اپنے انجام کے خوف سے ڈرے۔ حضرت حسن فرمایا کرتے تھے۔ تقویٰ کی ارتقاء اور تکمیل میں سب سے زیادہ مددگار بنیادی واساسی چیز صرف خوف خدا ہے۔

علامہ شعرانی کا بیان ہے حضرت حسن بصریؒ پر خوف خدا اور خشیت الٰہی کی اتنی وحشت طاری رہتی تھی کہ گویا جہنم کی آگ صرف انہیں کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔

فرمایا جو خدا سے ڈرتا ہے سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں خدا سے ڈرنے والے کو چاہیے کہ اس کے تصرفات میں کلام نہ کرے۔ دنیا کا عذاب یہ ہے کہ تیرا دل مردہ ہو جائے جو خدا سے شرم کرتا ہے لوگ بھی اس سے شرم کرتے ہیں جو خدا کے سامنے گناہ کرنے میں دلیری کرتا ہے لوگ بھی اس سے دلیری کرتے ہیں۔ خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ اور بھرا ہوا پیٹ اس کا اکھاڑہ۔ جنت کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی نعمت حقیر اور دوزخ کے مقابلے میں بڑی سے بڑی مصیبت آسان اور ناقابل برداشت۔

نفس سے بڑھ کر دنیا میں منہ زور اور بے لگام جانور کوئی نہیں۔ دولت وہی شخص طلب کرتا ہے جسے خدا ذلیل کرے جس نے خدا کو پہچانا اس نے دوست رکھا جس نے دنیا کو پہچانا اس نے خدا کو دشمن سمجھا۔ ہشام بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں رجب ۱۱۰ھ میں نواسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ مزار پر انوار بصرہ میں ہے

ماڈرن مولانا

(قاریہ)

گذشتہ ہفتے ایک سہیلی اپنی بہن کے ساتھ ملنے آئی باتوں باتوں میں انہوں نے ایک اچھی خاصی معتبر اور مرحوم مذہبی شخصیت کی کیسٹ کا ذکر کیا جس میں انہوں نے صدر پاکستان کی ذات پر بڑے فضول ریمارکس دے رکھے تھے۔ ہم نے ان مولانا کا نام اور شہرت سن رکھی تھی اور عالم دین ہونے کی حیثیت سے ان کے لیے دل میں احترام کا جذبہ تھا لیکن ان کی یہ خبر سن کر بڑا دکھ ہوا کہ سربراہ مملکت یا کسی کی پالیسی اور نظریات سے اختلاف تو قابل قبول ہے لیکن مخالف کی شکل وصورت کو موضوعِ سخن بنایا اور برے القاب سے پکارنا، ایک مذہبی شخصیت کو جو مذہبی تعلیمات کا استاد بھی ہو زیب نہیں دیتا اسلام بھی اس کی اجازت نہیں دیتا ہے قرآن پاک میں واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط (ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو) وہ نقص جس میں کسی کا ذاتی قصور نہ ہو جیسے شکل، قد، جسامت وغیرہ پر تنقید کرنا جہلا کا شیوہ ہے۔ ایک عالم کا ایسا فعل اور پھر کیسٹس ریکارڈ کروا کر بازار تک پہنچانا اظہار افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اپنے مولانا صاحب یاد آ گئے اور ہم ابھی لب کشا کیے ہی تھے کہ باجی درمیان میں مسکراتے ہوئے بول پڑیں "ورنہ آپ کے مولانا تو خاصے ماڈرن ہیں" یہ سننا تھا کہ ہمیں بے اختیار ہنسی دبی جانے کیوں مگر بعض اوقات ہمیں اس بات پہ بھی ہنسی آ جایا کرتی ہے جس نے دل پر صدمہ پہنچایا ہو۔ ہم نے اس جملے کی شانِ نزول پوچھی تو ہم پر یہ عقدہ کھلا کہ ایک عالم دین کو اتنا خوش مزاج، زندہ دل اور موجودہ دور سے مطابقت اختیار کرتا ہوا نظر نہیں آنا چاہیے

یہ نظریہ صرف ہماری ان باجی صاحبہ تک ہی محدود نہیں بلکہ ایک عام تاثر یہی ہے کہ وہ شخص جس پر مذہبی ہونے کا لیبل چسپاں ہو خواہ وہ محلے میں سپارہ پڑھانے والے مولوی صاحب ہوں یا ٹی وی پر تقریر فرمانے والے مولانا اور اذان دینے والے عالم ہوں یا جماعت کرانے والے امام صاحب۔ ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ جبیں شکن آلود، لب خاموش اور زبان بے زبان کے مالک ہوں۔ ٹی وی پہ تقریر تو فرماتے ہوں مگر خود ٹی وی سے گھونگھٹ کا پردہ کرتے ہوں۔ شادی بیاہ پہ نکاح تو پڑھاتے ہوں مگر وہاں بنائی جانے والی مووی میں نظر نہ آئیں۔ بیویوں کے ساتھ محبت سے پیش آنے کا درس تو دیتے ہوں مگر خود اپنی بیوی سے کھچے کھچے پھریں۔

افسوسناک پہلو تو یہ ہے کہ ان تمام نظریات کو مذہب سے تعلق رکھنے والے صاحبان کی اکثریت نے خود بھی اپنے اوپر طاری کر رکھا ہے اور اس میں اس حد تک شدت اختیار کر لی گئی ہے کہ ہمارے سامنے بھی جب کسی مولانا کا ذکر کیا جاتا تو ہمارے ذہن میں تنگ پائینچوں اور نصف پنڈلیاں ننگی رکھنے والی شلوار، جو پہلی نظر میں چھوٹے بھائی کی نظر آئے۔ ڈھیلی ڈھالی قمیص اور سر پہ پھنسی ہوئی ٹوپی والے مولوی صاحب جلوہ افروز ہوتے جن کے لب سختی سے بھینچے ہوئے، ماتھا تیوریاں زدہ اور نگاہیں شعلہ بار ہوتیں اور ہم یہ سب سوچنے میں اس لیے حق بجانب تھے کہ ہم نے اپنے گاؤں کی مسجد میں قرآن پاک پڑھانے والے مولوی صاحب کو دیکھ رکھا تھا جنہوں نے ایف اے تک تعلیم پائی اور یہ زمانہ ایک نارمل انسان کی طرح گزارا لیکن جونہی مسجد میں داخل ہوئے یکایک اپنے حلیے سے بے حس ہو گئے بچوں کی شرارتوں اور بڑوں کی شگفتگی سے انہیں چڑ ہونے لگی اور ہماری بہت بچپن کی بے ساختہ ہنسی بھی انہیں ہماری ذہنی صحت پہ شک میں مبتلا کر دیتی۔

میٹرک میں ایک دفعہ ایک پیر صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہمارا نام پوچھا گیا تو ہم نے حسب عادت پورا نام بتاتے ہوئے ساتھ میں والد صاحب کا نام لگا دیا جیسا کہ عموماً سکول کے بچے لگایا کرتے ہیں مثلاً عاصمہ الطاف یا صبا حمید وغیرہ

دوا ہیں یہ بڑی ناگوار حیرت ہوئی اور بولے ”آپ کس بے باکی سے اپنے والد کا نام لے رہی ہیں“ اور ہمارا معصوم ذہن یہ سوچ کر رہ گیا کہ ہم نے تو اپنا نام ہی بتایا ہے مجھے یاد ہے اس چھوٹے سے واقعے کے بعد میں ایک عرصے تک بڑی زبان فقیر دل سے خائف رہی کسی مولانا، یا عالم کو دیکھ کر بھی رعایت دیتی لیکن بڑے دل فقیر دل کے نام سے ہی ہول بھاگتی گویا کہ سے نے عیلیں دیکھ لی ہو۔

ان مذہب کے علمبرداروں نے اسلام کی شکل اس طرح سے مسخ کی ہے کہ آج کی نوجوان نسل یہ سمجھے ہوئے ہے کہ موجودہ دور میں اسلام پہ عمل کرتے ہوئے وہ کامیاب زندگی نہیں گزار سکتے اور اس نظریے میں اس حد تک شدت آگئی ہے کہ ہم نے ایک دفعہ کسی بات کی مفاہمت میں دلائل دیتے ہوئے جب یہ کہا کہ ”اس کے متعلق تو حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ ......“ تو ایک محترمہ بول پڑیں ”حدیثوں کا کیا ہے۔ انہیں پڑھ لو تو یوں لگتا ہے جیسے گھر ہی سے نہیں نکلنا اس لیے ہم نے تو حدیثیں پڑھنا ہی چھوڑ دی ہیں“ میں نے کہا کہ بی بی آپ کن احادیث کی بات کر رہی ہیں رسول اللہ کے دور میں تو خواتین نے تجارت تک کی ہے لیکن سوچتی ہوں تو اس میں ان محترمہ کا بھی کوئی ایسا قصور نظر نہیں آتا۔ مذہب کا تصور ہی کچھ اس طرح سے پیش کیا جا رہا ہے۔ لاؤڈ سپیکر پہ عورت کے گھر سے نکلنے کے آداب بیان کرنے کی بجائے سرے سے اس کے گھر سے قدم باہر نکالنے کو گناہ کبیرہ کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور واقعی یوں محسوس ہوتا ہے کہ پکا مسلمان ہو کر تو انسان دنیا سے کٹ کر رہ جائے گا۔ ہنسنا ایک الزام ہو گا اور مسکرانا ایک جرم اور رسول اللہ کے طرز زندگی پر عمل کرنے والا عالم دین، ماڈرن مولانا کہلانے لگا ہے جبکہ اسلام کو بنظر غائر دیکھا جائے تو اتنا سہل، اس قدر واضح اور ہر دور سے اس حد تک مطابقت رکھنے والا کوئی دوسرا مذہب نظر نہیں آتا دیکھا جائے تو زندگی اجیرن ہی اس وقت بنتی ہے جب اسلام سے دوری اختیار کر لی جائے۔ دور کیا جانا اپنے ارد گرد ہی دیکھیے قناعت کا دامن چھوڑا تو حرص و ہوس نے پیدا ہو کر بے شمار معاشرتی برائیوں کو جنم دیا۔ قتل، ڈاکہ، چوری معصوم بچوں کا اغوا اور بعد میں بے رحمی سے قتل معمولی بات بن گئی۔ مساوات ترک کی تو طبقاتی کشمکش وجود میں آکر معاشرتی انتشار کی شکل اختیار کر گئی۔ سادگی کو بھلایا تو بے جا نمود و نمائش سے

توجہ

متوجہ رہنا ہر گھڑی ہر آن، دکھ ہو سکھ ہو، صحت ہو، بیماری ہو، سفر و حضر ہو طالب کے لیے متوجہ رہنا شرط ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال اور طیب ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی محفل نا اہلوں کے ساتھ نہ ہو۔ اگر کوئی نہیں ملتا مطالعہ کرتا رہے، کوئی نہیں ملتا تو ذکر الٰہی کرتا رہے وہ اکیلا نہیں ہوگا اس کے ساتھ اللہ کی بے شمار مقرب مخلوق ہوگی اور اگر یہ بھی نہیں کرتا تو نالائقوں کے پاس بیٹھنے سے سو رہنا بہتر ہے۔ اس میں نقصان نہیں ہوگا۔

(مولانا محمد اکرم ...)

ننھے ننھے معصوم ذہن احساس کمتری میں مبتلا ہو کر خطرناک سازشی، باغی، بے رحم اور خود غرض و سفاک ذہنوں کے روپ میں ڈھلنے لگے۔ یہ بے اطمینانی، ذہنی انتشار، خود ساختہ پریشانیاں، آپا دھاپی اور بے راہروی یہ سب کیا ہے؟ کیا ان سب نے خود غرضیوں، نفرتوں، حقارتوں اور بے جا نمائشوں سے جنم نہیں لیا؟ اور یہ خود غرضیاں، یہ نفرتیں، حقارتیں اور دکھاوے یہ سب اسلام سے دوری نہیں ہیں؟

اس وقت ہر تیسرا بندہ ہمیں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ زمانہ خراب ہو گیا ہے یہ زمانہ آخر ہے کیا؟ ہم سب زمانہ نہیں ہیں۔ ہر پاکستانی واویلا مچا رہا ہے کہ پاکستان میں انصاف و امن ختم ہو گیا ہے کیا ہم سب پاکستانی نہیں ہیں؟ پھر یہ انصاف و امن کس نے ختم کیا ہے؟ ہر شخص یہ پکار رہا ہے کہ دنیا خود غرض مطلب پرست ہو گئی ہے یہ دیکھے بغیر کہ یہ دنیا کون ہے؟ معاشرہ کیا ہے؟ ہم سب دنیا اور معاشرے سے تعلق نہیں رکھتے؟ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم سب اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی بجائے دوسروں کے گریبان پھاڑنے کی فکر میں ہیں۔ ساس بہو کی لڑائی ہو یا دو سیاستدانوں کا جھگڑا طالبعلموں کا آپس کا دنگا فساد ہو یا دو مولویوں کا اختلاف،

ایک دوسرے پر اس طرح جھپٹتے ہیں جیسے کوئی جنگلی وحشی اور تہذیب و تمدن سے نا آشنا قوم ہو۔ جیسے ہمارے پاس کوئی لائحہ عمل نہ ہو۔ ایک دوسرے پر اس طرح کیچڑ اچھالتے ہیں کہ اس کیچڑ کے دھبے اپنے ہی دامنوں پر پڑتے نظر آتے ہیں کیا ہمارے پاس کوئی طرز معاشرت نہیں ہے؟ کیا ہمیں کسی نے زندگی گزارنے کے اصول و ضوابط نہیں سکھائے؟ ہمارے لیے کوئی خدا کا بندہ چراغ ہدایت لے کر نہ آیا تھا؟ ایسی بات نہیں ہے ہمارے نام بھی ایک ہدایت نامہ آیا ہے جسے ہم نے خوبصورت غلاف اور ہزاروں بوسوں میں لپیٹ کر الماریوں میں بند کر رکھا ہے ہمارے لیے بھی ایک استاد بھیجے گئے ہیں۔ ہم ان کا بے حد احترام کرتے ہیں لیکن حکم ماننا ضروری نہیں سمجھتے ان کا درس اور انداز تدریس بہت پیچھے رہ گیا ہے اب ہم لعن طعن کرکے بچوں کو سبق دیتے ہیں اور سبق بھی وہ والا جس کی الف ب ہمیں خود بھی معلوم نہیں۔ اونچی شلوار پہن لینا یا سر پہ ٹوپی پھنسا لینا تو اسلام نہیں ہے اور نہ ہی اسلام محض نمازوں، نوافل اور روزے رکھنے کا نام ہے پھر اسلام کا تصور صرف تسبیح اور مصلے تک ہی محدود کیوں سمجھا گیا ہے؟ اسلام وہ مکمل ضابطۂ حیات ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو کر اس سے متعلق افراد کے حقوق و فرائض اس طرح واضح کر دیئے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو بلاشبہ ایک مثالی معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے کیا وہ معاشرہ جس میں اطاعت شعار بیوی، محبت کرنے والا شوہر، شفیق والدین فرمانبردار اولاد، ہمدرد ہمسایہ، غیر جانبدار منصف، فرض شناس استاد، باادب شاگرد، درمند حاکم، تابعدار محکوم، بہادر سپہ سالار جان قربان کر دینے والا سپاہی، رحمدل آقا اور وفادار غلام ہو ایک مثالی معاشرہ نہ ہوگا؟ پھر ایسے خوبصورت ضابطۂ حیات کی شکل اس حد تک مسخ کیوں کی گئی ہے کہ وہ دین جو دوسروں کے لیے باعث کشش تھا خود اس کے نام لیواؤں کے گھرانوں کے بچے اس سے خائف ہو گئے ہیں وہ اپنے راہبر و راہنما کے احکامات وارشادات اس ڈر سے نہیں سنتے کہ کہیں اس زندگی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائیں وہ جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے محلوں کی بنیادیں ہلا ڈالی تھیں، بہتے دریاؤں میں گھوڑے دوڑا دیے تھے۔ بیس سپاہیوں کو لے کر۔ ہزاروں کے لشکر میں جا گھسے تھے اور اس وقت ان کے پاس ایک ہی طاقت

ہر اصل کے ساتھ نقل کا وجود ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں خدائی کے جھوٹے دعوے دار موجود انبیاء کے مقابلے میں کذاب اور اولیاء کے مقابلے میں نقال ہمیشہ رہے ہیں اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابرکت حکومت نے جو جن و انس ہی کو نہیں بلکہ درند و پرند حتیٰ کہ ہوا تک محیط تھی جذبہ نقالی کو ہوا دی اور کئی ایسے شوقین پیدا ہوئے جن کو جنات کے تسخیر کرنے کا خبط سمایا۔ شیاطین نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا اور بعض کفریہ کلمات لوگوں کو تعلیم کئے۔ جو کوئی ان الفاظ کو دہراتا امکانی حد تک شیاطین اس کی مدد کرتے تاکہ یک سازی قائم رہے۔ یہی سحر کی اصل بنی جو آج تک موجود ہے

شیخ المکرم حضرت کریم

تھی خدا کا نام، خدا کا ساتھ، خدا کی ذات۔ آج اسی قوم کے شاہین ارد گرد کے زاغوں کو دیکھ کر دبک کیوں گئے ہیں؟ اس لیے کہ انہیں ڈھنگ سے پروان نہیں چڑھایا گیا ان کی منزل کی نشاندہی نہیں کی گئی وہ حوصلہ اور جرأت جو ان کا ورثہ تھی انہیں نہیں دی گئی۔ غلط عقائد و نظریات سے ان کے پر کاٹ کر طاقت پرواز ختم کر دی گئی اور یہ سب کس نے کیا ہے؟ والدین اور اساتذہ کے علاوہ ان لوگوں نے جو اس مذہب کے نام نہاد ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔ ان کے رویے اس قدر سخت اور توہین آمیز ہیں کہ نوجوان ان سے کنی کترانے لگے ہیں ان کے نام سے بدکنے لگے ہیں انہوں نے اپنے حلیے اس قدر بگاڑ رکھے ہیں کہ لوگ انہیں دیکھ دیکھ کر نہ صرف ان سے بلکہ ان کے مذہب سے بھی دور ہونے لگے اور یہ دوریاں اس حد تک بڑھیں کہ اب تعلق کے باریک دھاگے بھی ٹوٹتے محسوس ہو رہے ہیں۔

ان نام نہاد وقار و مقام کے مالکوں نے اپنے علاوہ دوسرے تمام مسلمانوں پہ بیٹھے بٹھائے بلاتردد کفر کا فتویٰ صادر کر رکھا ہے خود کو نیک و پارسا ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ پر پابندیاں بھی عائد کر لی ہیں جن کا اسلام میں کوئی تصور نہیں اور یوں اسلام ایک تنگ نظر، کم ظرف، خشک مزاج اور متعصب ملا کے روپ میں سامنے آیا ہے۔

کا برا نہیں چاہتا دھمکی ملی۔ فقیر بددعا دے گا" عرض کیا دیجئے لینے کی بجائے کچھ تو دیجئے۔

یہ تو خیر ایک بھیک مانگنے والی کے حربے تھے ہم سے اچھے خاصے صحت مند و تندرست پیروں کو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے مریدوں کا مال بٹورتے دیکھا ہے اور آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ جو خود مریدوں کے رحم و کرم پر ہے وہ کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ اگر یہ صاحبان بیروزگار ہیں تو ذریعہ آمدنی تلاش کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر ذریعہ آمدنی ہے تو پھر مریدوں کی کمائی کیوں کھاتے ہیں؟ افسوسناک پہلو تو تب نظر آیا جب ہم نے اپنی آنکھوں سے ایک مرید کو ادھار لے کر پیر کو نذر دیتے ہوئے دیکھا۔ اسی قبیل کے پیروں، فقیروں، مولویوں اور ملاؤں کے ہجوم میں جب ہم حضرت جی مدظلہ، کا ذکر کرتے ہیں کہ ان کا اپنا ذریعہ آمدنی ہے کوئی مرید یا مریدنی ان کے گھر جھاڑو نہیں لگاتی۔ پاؤں نہیں دبواتے نذر و نیاز نہیں لیتے، اپنے بچوں کو تعلیم دلوا رہے ہیں، گھر میں ٹی وی بھی ہے اور ریڈیو بھی اور اس سلسلے میں ان کا نظریہ بے حد خوبصورت ہے کہ ہم نئی ایجادات سے نوجوان نسل کو دور نہیں رکھ سکتے ہاں اس کا بہتر استعمال سکھا سکتے ہیں ہر چیز کے اچھے اور برے اثرات ہوتے ہیں آپ اس سے اچھے اثرات حاصل کیجئے مزاح نگاری بھی کرتے ہیں (حضرت مدظلہ، کا ایک نہایت خوبصورت مضمون اعلیٰ پائے کے ادبی رسالے اردو پنچ میں آرہا ہے) تو مخاطب حیرت زدہ رہ جاتا ہے لیکن اس حیرت کے بعد کے مراحل نہایت خوشگوار ہوتے ہیں جب وہ حضرت جی کی زندگی کے ہر پہلو پر غور کرتا ہے تو کہیں بھی گھٹن، تنگ نظری اور کم ظرفی کا شائبہ تک نہیں ملتا اور نہ ہی کوئی فعل خلاف شریعت نظر آتا ہے زندگی کا ایک ایک لمحہ اور حیات کا ایک ایک سانس صراط مستقیم دکھلانے کے لیے وقف کر رکھا ہے تو بہت سوں کے منہ سے نکل کر رہ جاتا ہے "واقعی یہی اصل اسلام ہے ہمارے مولانا صاحب کی شخصیت اور تعلیمات تو یہی سکھاتی ہیں کہ حلال اور بہتر طریقے سے کماؤ، بہترین طریقے سے خرچ کرو، ہر چیز کا مثبت اور روشن پہلو مد نظر رکھو، ذیلکے مستقبل کو تابناک کرنے کی کوشش کرو لیکن اس سے زیادہ مقدم اس عارضی زندگی کے بعد کی آخروی زندگی ہے۔ دنیا میں اس طرح سے جیو کہ آخرت سنور جائے۔ گنہگار میں لعنت ملامت سے مزید ڈھٹائی پیدا نہ کرو، اسے اس کے حال پر نہ چھوڑو اپنا کردار ایسا بنالو کہ دیکھنے والا خود ہی اپنے کردار پر غور کرنے لگے۔ شرمندہ کرنے کی بجائے اسے فکر دو وہ خود دیکھے، پرکھے غور کرے اور سدھر جائے، ٹی۔ وی تو کیا وی سی آر کا اس طرح سے استعمال سامنے لاؤ کہ وہ لعنت کی بجائے نعمت نظر آنے لگے، عادات و اطوار اس قدر ستھرے ہوں کہ دشمن بھی انگلی نہ اٹھا سکیں اور اس کے ساتھ ساتھ ظاہری شخصیت بھی بھیک منگوں کی بجائے معزز اور مہذب شہری جیسی بنالو کہ یہی اسلام ہے اور اگر یہ ماڈرن ہونا ہے (خیال رہے کہ عرف عام میں ماڈرن ہونے کی اصطلاح فیشن ایبل ہونے کے معنوں میں لی جاتی ہے) تو اس پر ہزاروں "سادگیاں" قربان۔

التماس

المرشد آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ اشاعت کے لیے اپنی نگارشات بھیج کر تعاون کیجیے۔ البتہ ان چند باتوں کا خیال ضرور رکھیے۔

۱۔ لکھائی کاغذ کے ایک طرف ہو، صاف ہو، خوش خط ہو، ایک لائن چھوڑ کر لکھا ہو، مضمون شکستہ خط میں نہ لکھیے کیونکہ کتابت میں مشکل پیش آتی ہے۔

۲۔ قرآن پاک کی آیات صاف اور صحیح لکھیے، آیت پوری لکھیے، زیر زبر تک کا خیال رکھیے۔ آیات شکستہ خط میں ہرگز نہ لکھیے۔ قرآن پاک سے مقابلہ کر کے آیات کے صحیح ہونے کا اطمینان کر لیجیے

اشاعت کے لیے نگارشات اس پتے پر ارسال کیجیے۔

ماہنامہ "المرشد" گارڈی ٹرسٹ بلڈنگ، نالٹن روڈ، لاہور۔

حالانکہ رسول اللہ کی حیاتِ مقدسہ کو دیکھا جائے تو آپؐ ہمیں دشمنوں سے خندہ پیشانی سے ملتے نظر آتے ہیں اور اس بڑھیا کی خیریت پوچھتے بھی دکھائی دیتے ہیں جو روزانہ اس ہستی پاکؐ پر کوڑے کا ٹوکرا الٹ دیتی ہے آپؐ کی پوری حیاتِ طیبہ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ آپؐ نے کسی کو برا بھلا کہا ہو یا برا کام کرنے پہ ملامت کی ہو اگر کوئی بات بہت ناگوار گزری تو رخِ انور پہ گہری سنجیدگی کے تاثر نے مخاطب کو جتادیا۔ نبوت اور پھر سردارِ انبیاء کا مقام رکھتے ہیں لیکن گھر کے چھوٹے چھوٹے کام اپنے دستِ مبارک سے کر دیتے اور ذاتی کاموں کے لیے کسی کو تکلیف نہیں دیتے ہیں حالانکہ اب اگر ہم کسی شوہر کو کپڑے استری کرتے یا بٹن ٹانکتے ہوئے دیکھ لیں تو فوراً زن مریدی کا خطاب دے ڈالیں لیکن وہ ہستیٔ پاکؐ جو ہم سب کے ہادی ہیں، راہبر ہیں، راہنما ہیں اپنے جوتے تک خود گانٹھتے اور کپڑوں پر پیوند لگاتے نظر آتے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑا معلم و عالم کون ہو سکتا ہے؟ لیکن شگفتہ مزاجی کا یہ عالم ہے کہ اپنی کھجوروں کی گٹھلیاں علیؓ کے آگے رکھتے ہوئے فرماتے ہیں علی تم نے اتنی ڈھیر سی کھجوریں کھا لیں۔ بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کا یہ انداز تو ملاحظہ فرمائیے کہ ان کے ساتھ کھیلوں میں شریک ہوتے ہیں اور جب ان کے ساتھ دوڑ لگاتے ہیں تو دانستہ آہستہ دوڑتے ہوئے انہیں خوش ہونے کا موقع دیتے ہیں آج ہم کسی عالمِ دین کے بچوں کے ساتھ دوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ بازیگر کرتب دکھانے آئے تو آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بازو کی اوٹ میں لے کر تماشا دکھایا۔ اگر ہم کسی مولوی صاحب کو ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیں تو انگشت بدنداں رہ جائیں اس لیے کہ ہمارے ارد گرد بسنے والے مولوی صاحبان اور علمائے دین کی اکثریت نے اپنے گرد ایک خود ساختہ خول چڑھا کر یہ تاثر دے دیا ہے کہ دنیا کی تمام تر نعمتیں خود پہ حرام کر کے ہی دین پر عمل کیا جا سکتا ہے خود ساختہ پیروں کا رویہ تو اس سے بھی زیادہ افسوسناک عجیب و غریب اور مضحکہ خیز ہے۔ محض لمبے لمبے سبز چغے پہن کر تصوف کی Definition (تعریف) تو بیان نہیں کی جا سکتی لہذا اپنی کم علمی پر پردہ ڈالنے کے لیے فرما دیا جاتا ہے۔ "یہ معاملات عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ فقیری بڑی مشکل چیز ہے

> ارشاد فرمایا کہ قطب و غوث تو کیا نبی تجارت کرتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے متعلق میں نے ایک رسالہ لکھ دیا ہے کہ فلاں نبی نے یہ کام کیا اور فلاں نے یہ کیا، آخر ہر شخص کی معاشس کا کوئی ذریعہ بھی ہونا چاہیئے۔ حساب دینا ہوگا قطب غوث انبیاء سے بلند درجہ پر نہیں اولیاء اللہ کو تجارت کی مشغولیت ذکر اللہ سے نہیں روکتی اس لیے سارے ساتھی اچھے اپنے کاموں میں مشغول رہیں۔ ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں پیسے کے بغیر ایمان نہیں بچ سکتا۔
>
> (باتیں ان کی خوشبو خوشبو)

اسے ہر شخص اختیار نہیں کر سکتا" وغیرہ وغیرہ اور اگر کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ "یہ عالموں کا کام ہے ہم فقیر بندے ہیں" جیسے خود علم نہیں وہ کسی کو کیا سمجھائے گا لہذا ان کی یہ باتیں ان پڑھ لوگوں کو تو متاثر کر سکتی ہیں لیکن پڑھا لکھا سمجھدار طبقہ یہ باتیں سن سن کر روحانیت کو چلوں یا ٹونے ٹوٹکوں کا نام دے کر اس سے بدظن ہو کر رہ گیا ہے۔

حضرات تو حضرات خواتین بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں۔ ایک محترمہ کو دیکھا دن کے ۱۰ بجے تک سو رہی ہیں پوچھا فجر نہیں پڑھی؟ جواب ملا، یہ سوتے میں نماز پڑھ لیتی ہیں دیکھا مزے ہیں! اسی طرح پچھلے دنوں ماموں زاد کی برات کے ساتھ ان کے سسرال پہنچے تو ایک محترمہ ہاتھ میں تسبیح لیے ہمارے پاس آ بیٹھیں ہم متوقع تھے کہ شاید کوئی نماز روزے کی نصیحت ہونے لگی ہے مگر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ارشاد ہوا "دو فقیر کو کوئی نذر نیاز دو" پوچھا کس سلسلے میں؟ فرمایا "فقیر دعا کرے گا" عرض کیا پہلے اپنے لیے تو دعا کیجیے خدا اس بھیک مانگنے سے نجات دے۔ جلال میں آ کر بولیں "فقیروں سے مذاق کرتی ہو" کہا نہیں میں تو سنجیدہ ہوں آنکھیں نکالتے ہوئے فرمانے لگیں "فقیر سے ڈرو"، ہم نے کہا لیکن فقیر تو کسی

تصوف ایک اعتراض

ناقدین تصوف کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ تصوف انسان کو تعطل اور بے عملی کی طرف لے جاتا ہے اور مردانہ حقائق سے فرار کا دوسرا نام ہے یہ زندگی کے مسائل کا مردانہ وار مقابلہ (FACE) کرنے کی بجائے ان سے آنکھیں چرانا سکھاتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ ترکِ دنیا کی تعلیم دیتا ہے

اس اعتراض پر ذرا غور کرنے سے معترضین کی ذہنیت کے متعلق مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں

(ا) یہ لوگ جان بوجھ کر اسلامی تصوف کو رہبانیت اور ویدانت کے ساتھ خلط ملط کر کے اصل حقیقت کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں نظریات کا آپس میں کوئی واسطہ نہیں۔

(ب) تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے تاریخی حقائق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

(ج) ناپختہ کار صوفیاء کے حالات دیکھ کر اور پڑھ کر یہ فیصلہ دے دیتے ہیں کہ تصوف بے عملی اور تساہل کو جنم دیتا ہے اور اکابر صوفیا کے کارناموں کو بالکل پی جاتے ہیں۔

(د) لہذا یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ اعتراض محض بدنیتی اور کج فہمی پر مبنی ہے اور علمی بد دیانتی کی انتہا ہے یا پھر یہ لوگ اس قدر جاہل اور بے علم ہیں کہ اسلامی تصوف کی تعریف اور تاریخ دونوں سے ہی ناواقف اور نابلد ہیں جو ایک امر محال ہے۔

اگر اس امتِ مرحومہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے اندر جب کبھی کوئی علمی اور عملی فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا تو وہی لوگ سر پر کفن باندھ کر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئے جن کا باطن نورِ ایمان سے منور تھا اور جنہیں اصطلاحی طور پر ہم صوفی یا اہل اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں

خلقِ قرآن کا علمی اور اعتقادی فتنہ ہو یا تاتاریوں کی یلغار، یونانی فلسفہ ہو یا ایرانی، سب کا ڈٹ کر مقابلہ ان اولیاء اللہ نے کیا۔ امام احمد بن حنبل اور امام ابن تیمیہ علوم ظاہری کے بحرِ ذخار کے ساتھ ساتھ کس پایہ کے اہلِ باطن تھے

اپنی ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کے دور کا آغاز ہی صوفیا کرام کی ذات سے ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے اخلاص اور پاکی نفس کے طفیل ہندوستان کے ہزاروں اور لاکھوں ہندو اُن کے فیضِ صحبت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے حضرت مجدد الف ثانی کا مقام تصوف محتاج بیان نہیں۔ اگر آپ کی ذاتِ بابرکات نہ ہوتی تو غالباً آج ہم خدا تعالیٰ کے دینِ اسلام کی بجائے اکبر کے دینِ الٰہی کے پیرو ہوتے۔

آپ کے ۱۰ ہزار خلیفہ اور صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے ہاتھ پر لاکھوں انسانوں نے بیعت و توبہ کی

دعوت و ارشاد کی ان سرگرمیوں کے علاوہ حضرات صوفیہ رحمہم اللہ جان بازی و جاں سپاری میں کسی سے پیچھے نہ رہے اور جانفروشی کے ہر موقع پر نہ صرف شریک ہوئے بلکہ لشکرِ اسلام کا ہراول دستہ اور صفِ اوّل کے مجاہدین اور قائدین نظر آتے تھے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں بالکل ماضی قریب پر نظر ڈالیے۔ امیر عبد القادر الجزائری (مجاہد جزائر) محمد احمد السوڈانی (مہدی سوڈانی) سید احمد شریف السنوسی (امام سنوسی) اور سید احمد بریلوی (سید شہید) کو اسی میدان کا مرد پائیں گے۔

دارالعلوم دیوبند کی مختلف النوع درخشاں ملی خدمات

سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ ان کے تمام اکابرین تصوف کی روح سے سرشار اور اس کی قوت و حرارت سے سرگرم عمل رہے کوئی پوچھے ان اہل عمل کے اندلس سے کہ کیا اب بھی تصوف کو تعطل اور بے عملی کا طعنہ دینا کسی درجے میں بھی صحیح ہو سکتا ہے

خدا کرے ان کور چشموں کو کوئی مرد دار العرفان کا راستہ بتا دے تاکہ وہ صحیح مقام اسلامی تصوف کے نمونے اپنی آنکھوں سے بذاتِ خود مشاہدہ کر سکیں اور " اے لقائے تو جواب ہر سوال" کا عملی تجربہ کر سکیں پھر ان کو پتہ چلے کہ تصوف سراپا عمل ہے۔ رہا اصل خرابی تو ان دوکانداروں کی پیدا کردہ ہے جن کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ "زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن"، آپ کو ان آستانوں پر سب کچھ ملے گا سوائے روحانی فیض کے

کوئی حقائق سے نظریں بند کر کے بالتعصب عینک لگا کر دیکھے تو الگ بات ہے ورنہ انسان عمل کی ترغیب کا جذبہ محرکہ (INCENTIVE) تصوف عطا کرتا ہے کسی اور طریقے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا.

ہاں اگر جلسہ جلوس ہنگامہ آرائی اور فساد کا نام عمل ہے تو پھر یہ واقعی صوفیہ کے ہاں نہیں ملے گا.

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

۱۲۴۸ — حدیث ابی بن کعب ﷺ: حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک تھیلی ملی جس میں سو دینار تھے۔ میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا ایک سال تک مالک کی تلاش میں، اس کی شناخت اور تشہیر کراؤ چنانچہ میں نے ایک سال تک اس کی تشہیر کرائی۔ اس کے بعد میں پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اب اس تھیلی کا کیا کیا جائے ؟ آپؐ نے فرمایا: مزید ایک سال تک شناخت اور تشہیر کا عمل جاری رکھو۔ میں نے مزید ایک سال اس کی تشہیر کی. دوسرے سال کے بعد میں نے پھر حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: مزید ایک سال تک شناخت اور تشہیر کراؤ۔ میں نے مزید ایک سال تک اس کی تشہیر اور اعلان کیا. پھر میں چوتھی مرتبہ حاضر ہوا اور دریافت کیا، تو آپؐ نے فرمایا: کہ اس کی گنتی کر لو اور اس کا سربند اور برتن اچھی طرح شناخت کر لو، پھر اگر کبھی اس کا مالک آجائے تو اسے دے دو، ورنہ اس سے خود فائدہ اٹھاؤ۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۴۵ اللقطۃ : باب ۱۰ ھل یاخذ اللقطۃ ولا یدعھا تضیع حتی لا یأخذھا من لا یستحق

ارشاد نبوی "میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا"

۱۲۴۹ — حدیث مغیرہ بن شعبہ ﷺ: حضرت مغیرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہیں گے حتیٰ کہ جب قیامت آئیگی تب بھی وہ غالب ہوں گے۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۶۱ المناقب : باب ۲۸ حدثنی محمد بن المثنیٰ

۱۲۵۰ — حدیث معاویہ ﷺ: حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ احکام الٰہی پر قائم اور کاربند رہے گی جو کوئی ان کو ذلیل کرنا یا ان کی مخالفت کرنا چاہے گا

آپ نے پوچھا

مکرمی محترمی جناب حافظ صاحب

السلام علیکم۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیریت ہے امید ہے کہ آپ بھی انشاء اللہ تعالیٰ بخیریت سے ہوں گے اما بعد چند ضروری مسائل کی وجہ سے آپ کا قیمتی وقت ضائع کرنے کی جسارت کر رہا ہوں امید ہے کہ آپ معاف فرما کر جواب سے ضرور آگاہ فرما دیں گے

نمبر۱۔ بندہ کے بیوی بچے بہت مجبور کرتے رہتے ہیں کہ سب گھروں میں ٹیلی ویژن ہیں اس لیے ہمارے لیے بھی لیکر دیں لیکن میرا جواب یہ ہوتا ہے کہ ٹی وی پر کوئی بھی پروگرام ہو گا اس کے پیش کرنے والے مرد ہوں گے جن کا دیکھنا عورتوں کے لیے حرام یا عورتیں ہوں گی تو ان کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا مردوں کے لیے حرام ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم نظریں جھکانے کا ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ تو محض تصویریں ہوتی ہیں تو میں کہتا ہوں کہ تصویریں دیکھنے سے بھی ذہن خراب ہوتا ہے اسلئے ٹی وی نہیں لیا جا سکتا۔ اب آپ شریعت کی روشنی میں آگاہ فرما دیں کہ میرا فیصلہ صحیح ہے یا غلط اور مجھے کیا کرنا چاہیئے

نمبر۲۔ میرے بچے بالغ بھی ہیں اور میرے ہی زیر کفالت بھی کیونکہ ابھی تک زیر تعلیم ہیں لیکن وہ باوجود میرے بار بار کہنے کے نماز کی پابندی نہیں کرتے۔ پڑھتے تو ہیں لیکن کوئی نہ کوئی نماز نظر انداز کر ہی دیتے ہیں۔ ہر نماز میں ان کی نماز کی پابندی کے لیے دعا بھی ہوتی ہے آپ فرما دیں کہ شریعت کے مطابق میرے لیے مزید کیا حکم ہے۔

نمبر۳۔ بندہ نے بوجہ مجبوری زرعی اراضی کرایہ پر یعنی سالانہ ٹھیکہ پر دی ہوئی ہے کیا یہ عمل جائز ہے؟ اور اس ٹھیکہ کی رقم میں سے مجھے عشر تو ادا کرنا چاہیئے یا نہیں

آپ کے وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے سوالات مختصر لکھنے کی کوشش کی ہے اس لیے آپ خود غور فرما کر مناسب جواب سے مطلع فرما کر مشکور فرما دیں۔

آخر میں عرض ہے کہ بندہ کو ماہ اپریل ۱۹۸۸ء کا "المرشد" نہیں مل سکا اس لیے اگر ممکن ہو تو ماہ اپریل کا شمارہ ارسال فرما کر مشکور فرما دیں۔ بندہ کا خریداری نمبر ۱۸۷ ہے

نیاز مند انور

محترمی انور صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا ہے سائنسی ترقی اور نئی ایجادات سے کئی ایسے مسائل پیدا ہو چکے ہیں کہ مفتی قسم کے علماء کو ان پر غور و خوض کر کے کوئی متفقہ فیصلہ دینا چاہیئے جو وہ کم ہی کر رہے ہیں۔ نئے مسائل پر حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے کافی چھان بین کر کے ایک کتاب لکھی ہے اس میں ایسے کئی مسائل آ گئے ہیں۔

اس سلسلے میں اگست کے المرشد میں میرا ایک مضمون آ

چکا ہے جس میں پہلے بھی بحث بھی کی گئی ہے اور علماء کرام کو دعوت الفکر بھی دی گئی ہے۔ میں نے مفتی صاحب کے فتوے کی روشنی میں جو کچھ سمجھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

(۱) ایک اصول بتایا کہ جس چیز یا منظر کا دیکھنا حرام ہے اس کی تصویر دیکھنا بھی حرام ہے اب اس اصول کو حالات پر منطبق کر کے دیکھیے۔

(ا) عورتوں کے لیے نامحرم مردوں کو دیکھنا حرام ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تمدنی ضروریات کے سلسلے میں بے پردہ عورتیں تو بے حجابانہ نامحرم مردوں کو دیکھتی ہیں مگر یہ دیکھنا بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو تمدنی مجبوری کے تحت دوسرا تانک جھانک یا شکار کی تلاش کے لیے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں قسم کا دیکھنا ایک جیسا نہیں ہو سکتا اور جو باپردہ خواتین ہیں وہ بھی تمدنی ضرورت کے تحت برقع کی اوٹ سے نامحرم مردوں کو مجبوراً دیکھتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح دیکھے بغیر گذارا نہیں ہو سکتا۔

یہی صورت مردوں کے نامحرم عورتوں کے دیکھنے کے سلسلے میں پیش آتی ہے

(ب) دوسری بات مفتی صاحب نے فرمائی کہ تصویر اور عکس میں فرق ہے۔ عکس جب تک عکس ہے اس کا دیکھنا حرام نہیں ہاں جب وہ تصویر بن جائے اس کا دیکھنا ایسا ہی جیسا اصل کو دیکھنا۔

لیکن ٹی وی کے سلسلے میں ایک بات تو ظاہر ہے کہ سکرین پر جو آتا ہے وہ عکس ہوتا ہے تصویر نہیں ہوتی۔ دوسری بات نفی ہے کہ ریل میں جو نگیٹو ہوتا ہے کیا وہ عکس ہے یا تصویر؟ عرف عام میں تو نیگیٹو کو تصویر نہیں کہتے جب اس سے پازیٹیو تیار کیا جاتا ہے اس کو تصویر کہتے ہیں۔

لہذا ریل بھی عکس ہوا اور سکرین پر جو آیا وہ بھی عکس ہوا اور عکس پر تصویر کا حکم لاگو نہیں ہوتا۔

مگر وہ عکس ہو یا تصویر اس کے دیکھنے سے وہی اثر ہوتا ہے گویا حالت یہ بن گئی کہ سے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

(ج) تیسری بات مفتی صاحب نے یہ فرمائی کہ جہاں تک آلات اور اشیاء کا تعلق ہے کچھ آلات فی نفسہٖ لہو کے لیے بنائے گئے ہیں مثلاً بانسری۔ پیانو۔ طبلہ وغیرہ۔ کچھ آلات ایسے ہیں کہ فی نفسہٖ آلات لہو نہیں مگر ان سے یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم کے ہر حال حرام ہیں۔ دوسری قسم کے متعلق استعمال کو دیکھنا ہوگا یعنی جائز مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو جائز و حلال دوسری صورت میں حرام۔

اس اصول کے تحت دیکھا جائے تو ٹی وی اور ریڈیو آلات لہو کی فہرست میں نہیں آتے بلکہ اگر کوئی قوم زندہ ہو اور ایمان کی دولت سے بھی کچھ حصہ پایا ہو تو ان دونوں ایجنسیوں کے ذریعے تعلیم و تربیت کا اس قدر تعمیری کام لیا جا سکتا ہے۔

: بلاضرورت زیادہ سوالات پوچھنے، اپنے ذمے واجب الادا حقوق ادا نہ کرنے لیکن دوسروں سے بغیر استحقاق کے مطالبہ کرنے کی ممانعت

۱۱۱۷ ـــــ **حدیث** مغیرہ بن شعبہ ؓ: حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے ۱۔ ماؤں کی نافرمانی کرنا ۲۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا ۳۔ دوسروں کو توان کا حق نہ دینا لیکن ان سے ایسے مطالبات کرنا جن کا تم کو حق نہ ہو۔ نیز تمھارے لیے مکروہ قرار دیا ہے ۱۔ قیل و قال کرنا ۲۔ بلاضرورت زیادہ سوالات کرنا۔ اور ۳۔ مال کو ضائع کرنا۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۴۳ الاستقراض: باب ۱۹ ما ینھی عن اضاعۃ المال

جو کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں اقتدار ان لوگوں کے پاس ہے جن کا اسلام سے صرف اسی قدر تعلق ہے کہ وہ مسلمان گھروں میں پیدا ہوا

اور بس یہی وجہ ہے کہ آج ان دو ایجنسیوں کے ذریعے ہر گھر ایک مستقل کنجر خانہ بنا ہوا ہے اور قوم میں عزت و شرف کا یہ حال ہے کہ بھانڈ اور ڈوم وی آئی پی شمار ہوتے ہیں اس طائفہ کا کوئی امام باہر سے بھی آجائے تو گورنر اور وزیران کے راستے میں آنکھیں بچھاتے ہیں اور ایوان صدر میں ان کی پذیرائی کچھ اس انداز سے ہوتی ہے جیسے وہ زبان حال سے کہہ رہے ہوں ؎

ان کے راستے میں کئی آنکھیں بچھائی جا چکیں
تو بھی اے خون جگر چھڑکاؤ کا سامان کر
ہائے ان مالیوں نے باغ اجاڑا اپنا۔

(۵) یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ وکیل اور جج دونوں قانون دان ہوتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وکیل صرف قانون بتا سکتا ہے مگر فیصلہ نہیں دے سکتا اور جج فیصلہ دے سکتا ہے اسی طرح علماء بھی دو قسم کے ہوتے ہیں اور یہ کام دوسری قسم کے علماء کا ہے اور آپ نے پوچھا مجھ سے جو نہ ان میں شمار ہوتا ہے نہ ان میں البتہ ایک طالب علم کی حیثیت سے جو سمجھ میں آیا عرض کر دیا ہے۔

والسلام

عبدالرزاق

وہ سچے عاشق رسولؐ اور مومن حق تھے

۱۷ اگست ٹی وی کی خبروں میں دلوں کو تڑپا دینے والی خبر سنی کہ محترم ضیاء الحق صاحب اور ان کے ساتھی داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون

محترم ضیاء الحق صاحب اور ان کے ساتھیوں کا انتقال ایک ملی نقصان عظیم ہے جس کا اس وقت یہ بدبخت قوم اندازہ نہیں لگا سکتی انہوں نے سچے دل سے پاکستان کی خدمت کی ہے مگر قوم کی بدقسمتی سمجھیئے کہ اس نے ان کے خلوص سے پورا فائدہ نہ اٹھایا وہ تو مومن حق تھے وہ سچے عاشق رسولؐ تھے اور اسی عشق میں اپنی جان۔ جان آفریں کے سپرد کر دی۔ خدائے بزرگ و برتر محترم ضیاء الحق صاحب اور ان کے ساتھیوں جنہوں نے وطن عزیز اور اللہ کے دین کی خاطر جانیں قربان کر دیں کی روحوں کو جنت الفردوس میں راحت و آسودگی عطا فرمائے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے۔ آمین

غم سے لبریز ہمارے دلی جذبات ضیاء الحق صاحب کے اعزا و اقربا اور تمام قارئین "المرشد" تک پہنچا دیں جو محترم ضیاء الحق صاحب کے ساتھ قدم ملا کر چلتے رہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

شریک غم
اویس انصاری

سفر ایک عذاب ہے مسافر کو چاہیے اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی گھر لوٹے

۱۲۵۱ ـــــ حدیث ابوہریرہ ﷺ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سفر ایک طرح کا عذاب ہے جس کی وجہ سے انسان کھانے پینے اور سونے سے محروم رہتا ہے اس لئے مسافر کو چاہیے کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچنے میں جلدی کرے۔

اخرجہ البخاری فی کتاب العمرۃ: باب ۱۹ السفر قطعۃ من العذاب

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

○ تصوف

- تعارف — ۵/- روپے
- دلائل السلوک (اردو) — ۴۰/- روپے
- دلائل السلوک (انگریزی) — ۱۰۰/- روپے
- اسرار الحرمین — ۱۵/- روپے
- عقائد و کمالات علماء دیوبند — ۱۰/- روپے
- علم و عرفان — ۵/- روپے

○ حیات بعد الموت :

- سیف اویسیہ — ۱۰/- روپے
- حیاتِ برزخیہ — ۳۰/- روپے
- حیاتِ انبیاءؑ — ۱۵/- روپے
- حیاتُ النبیؐ
- مذاہب اربعہ اہل سُنّت کی نظر میں — ۱۰/- روپے

○ شیعیّت ۔ تحقیقی مطالعہ :

- الدین الخالص — ۳۰/- روپے
- ایمان بالقرآن — ۲۵/- روپے
- تحذیر المسلمین — ۳۰/- روپے
- تفسیر آیاتِ اربعہ — روپے
- تحقیق حلال و حرام — روپے
- حرمتِ ماتم — روپے
- ایجادِ مذہب شیعہ — ۱۰/- روپے
- شکست اعدائے حسین رضؓ — روپے
- دامادِ علیؓ — روپے
- بناتِ رسولؐ — ۵/- روپے
- الجمال والکمال — ۱۰/- روپے
- عقیدۂ امامت اور اس کی حقیقت — ۵/- روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

- اسرار التنزیل فی حصہ — ۱۰/- روپے
- چار پارے (مکمل و مجلد) — ۵۰/- روپے
- دیارِ حبیبؐ میں چند روز — ۱۰/- روپے
- ارشاد السالکین (اوّل) — ۱۰/- روپے
- ارشاد السالکین (دوم) — ۵/- روپے
- امیر معاویہؓ — ۱۰/- روپے
- راہی کرب و بلا — ۵/- روپے
- عصرِ حاضر کا امام — ۵/- روپے
- شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد — ۴/- روپے
- حیاتِ طیّبہ — ۱۰/- روپے

پروفیسر حافظ عبدالرزّاق ایم اے اسلامیات و عربی

- ذکر اللہ (عربی) — ۵/- روپے
- لغزشیں — ۱۰/- روپے
- اطمینانِ قلب — ۱۵/- روپے
- تصوف و تعمیر سیرت — ۱۵/- روپے
- کس لیے آتے تھے؟ — ۱۰/- روپے
- خدایا ایں کرم بارِ دگر کن — ۱۰/- روپے
- بزمِ انجم — ۲۰/- روپے
- دین و دانش — ۱۰/- روپے
- کونوا عباد اللہ — ۵/- روپے
- انوار التنزیل — ۱۰/- روپے
- مغالطے — ۱۵/- روپے

سول ایجنٹ : اویسیہ کتب خانہ

● الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور